لاغری وکمزوری کا علاج

نہایت پختہ اور شیریں آم کا رس جو پتلا اور تازہ ہو ۲۵۰ گرام، خالص گھی چمچہ بھر، ادرک کا تازہ رس چمچی بھر۔ آم کا رس آہستہ آہستہ بڑھاتے رہیں، ایک دو مہینے تک صرف یہی مرکب استعمال میں رہے، اس کے علاوہ کوئی چیز غذا میں نہ کھائی جائے۔

فوائد: یہ نسخہ قلت خون کی شدید سے شدید صورت کو بھی دور کرتا ہے۔ خون بکثرت پیدا کرتا ہے۔ لاغر جسم کافی موٹا اور طاقتور ہو سکتا ہے۔ جسم کی خشکی بے رونقی، زردی اور ضعف زائل ہو جائے گا۔

خون اور منی بڑھانے والا نسخہ

آم کا تازہ میٹھا پتلا رس ۲۵۰ گرام، سفوف ستاور چھ گرام، سفوف ثعلب چھ گرام، تازہ دودھ ۳۵۰ ملی گرام، انڈے کی زردی ایک عدد، عمدہ گھی ۱۰ گرام، زعفران نصف گرام، عرق گلاب ۱۰ گرام میں حل کر کے سب چیزوں کو خوب اچھی طرح ملا کر ۳۰ گرام باریک پسی ہوئی مصری شامل کر کے پی لیا جائے۔ دو ہفتے بعد اس کا نصف وزن یا پورا نسخہ تیار کر کے شام کو بھی استعمال کیجیے۔ تقویت باہ، تولید منی، تولید خون اور اعضائے رئیسہ کے لیے بہترین غذا اور مفرح ہے۔

آم کی معجون "کایا پلٹ"

تازہ آم کا رس ۵ کلو، گھی ۲۵۰ گرام، دانہ الائچی خرد ۶۰ گرام، طباشیر ۲۵ گرام، دار چینی ۶۰ گرام، پیپلی ۲۵ گرام، ادرک کا رس ۱۲۰ گرام، شہد یا کھانڈ ایک کلو۔ آم کا رس اور گھی ملا کر دھیمی آنچ پر جوش دیں اور آہستہ آہستہ خوب بھون لیں، پھر آگ سے نیچے اتار لیں۔ باقی چیزوں کا سفوف کھانڈ کی یا شہد میں پہلے ہی بخوبی ملا لینا چاہیے۔ پھر دونوں کو آپس میں ملا کر یکجان کر لیں اور چاندی کے ورق تقریباً ایک سو ملائیں۔ کسی ڈھکنے والے چینی، شیشے یا قلعی دار برتن میں رکھ لیں۔ اگر قوام چند روز بعد ڈھیلا ہو جائے تو ایک مرتبہ پھر جوش دے کر گاڑھا کر لیں۔ ۲۵ گرام صبح اور ۲۵ گرام شام کو خالی یا دودھ کے ساتھ کھانے سے بھوک بڑھ جاتی ہے۔ خون پیدا ہوتا ہے۔ سستی اور ناطاقتی دور ہو کر چہرے کا رنگ نکھرتا ہے۔ بواسیر کے لیے بہت مفید ہے۔

اسہال خونی کا علاج

آم کی گٹھلی بھون لیں۔ اس کے ساتھ ہم وزن دانہ الائچی خرد خوب باریک کر کے دو تین گرام تازہ پانی کے ساتھ دیں۔ بلغمی دستوں کی شکایت دور ہو جائے گی۔

قوت باہ کا نادر نسخہ

پکے میٹھے آموں کا رس تین کلو، شکر سفید ایک کلو، گھی ۲۵۰ گرام، دودھ ایک کلو، شہد سوا کلو۔ سب کا حسب دستور قوام تیار کریں اور مندرجہ ذیل تین سفوف شامل کر کے حلوہ بنالیں:

سفوف اول: سونٹھ، بہمن سرخ، بہمن سفید، موصلی سیاہ، موصلی سنبھل اور ستاور، ہر ایک چالیس گرام۔ سفوف دوم: پیپل (پپلی) فلفل دراز، خولنجان، ساذج ہندی، ہر ایک تین گرام۔ سفوف سوم: ثعلب مصری، مغز بادام، مغز تخم خربوزہ، سفوف سنگھاڑا، شقاقل، کشمش، ہر ایک چالیس گرام۔ انہیں خوب کوٹ کر ملائیں۔ یہ حلوہ مولد منی ہے اور قوت باہ میں غیر معمولی اضافہ کرتا ہے۔

مولد خون ومنی

آم کا تازہ اور میٹھا رس ۳۰ گرام، ادرک کا رس چمچی بھر، ثعلب مصری، سفوف تین گرام، سفوف ستاور تین گرام اور بقدر ذائقہ شکر۔ اچھی طرح ملا لیں۔ یہ ایک خوراک ہے۔ روزانہ تازہ تیار کر کے کچھ عرصہ استعمال کریں۔ خون اور منی پیدا کرتا اور باہ اور اعضائے رئیسہ کو تقویت دیتا ہے۔

جریان، سرعت، ذکاوت حس کا علاج

آم کی کچی خشک کیری کا سفوف ۶۰ گرام، سونٹھ کا سفوف ۱۰ گرام، سفوف ثعلب مصری دس گرام، سفوف ستاور دس گرام، کشتہ قلعی اور کشتہ مرجان تین تین گرام۔ ان سب ادویہ کے ہموزن شکر سفید ملائیں اور کھرل میں ڈال کر یک جان کر لیں۔ چھ گرام صبح وشام دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔ جریان سرعت انزال، ذکاوت حس کو دور کرتا اور مولد منی ومغلظ منی بھی ہے۔ غلط کار نوجوان گناہوں سے توبہ کرنے کے بعد اس کا استعمال شروع کر کے فائدہ اٹھائیں۔

آنتوں کی کمزوری وبواسیر کا علاج

آم کا تازہ پتلا رس ساٹھ گرام، وہی میٹھا ۶۰ گرام، ادرک کا رس ایک چمچہ، تینوں اچھی طرح ملا لیں۔ صبح دوپہر اور شام ایسی تین خوراکیں پینا معدے اور آنتوں کی کمزوری اور بواسیر کا بہترین علاج ہے۔

پرانے دستوں اور سنگرہنی کے لیے بھی مفید ہے۔

••

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی مقبول ومعروف کتابیں

سوانح حیات — کاروانِ زندگی

ایک معلم، مصنف، مورخ، داعی اور رہنما کی سرگزشت حیات

جس میں ذاتی زندگی کے مشاہدات وتجربات۔ احساسات وتاثرات اور ہندوستان اور عالم اسلام کے واقعات وحوادث اور تحریکات وشخصیات کے مطالعہ کا ماحصل اس طرح گھل مل گیا ہے کہ وہ ایک دلچسپ وسبق آموز آپ بیتی اور ایک مورخانہ وحقیقت پسند جگ بیتی بن گئی ہے اور چودھویں صدی ہجری، بیسوی صدی عیسوی کی تاریخ وسرگزشت کا ایک اہم باب محفوظ ہو گیا ہے۔

● ایک تاریخی دستاویز ● ادبی مرقع ● دعوت فکر وعمل

فوٹو آفسیٹ کی بہترین کتابت وطباعت سے آراستہ

قیمت حصہ اول اُردو ایڈیشن	100/-
قیمت حصہ دوم اُردو ایڈیشن	80/-
قیمت حصہ سوم اُردو ایڈیشن	80/-
قیمت حصہ چہارم اُردو ایڈیشن	90/-
قیمت حصہ پنجم اُردو ایڈیشن	80/-
قیمت حصہ ششم اُردو ایڈیشن	90/-
قیمت حصہ ہفتم اُردو ایڈیشن	80/-
کاروانِ زندگی مکمل سیٹ	600/-

کاروانِ ایمان وعزیمت

قافلہ مجاہدین یعنی حضرت سید احمد شہید قدس سرہ کی تحریک اصلاح وجہاد سے تعلق رکھنے والے اصحاب علم وفضل وعزیمت کا تذکرہ جس سے مسلمانوں کی تاریخ دعوت وعزیمت کا ایک روشن باب سامنے نظر آتا ہے۔ خوبصورت کتابت وطباعت۔ قیمت -/35

حج کے چند مشاہدات

از۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اس کتاب میں مولانا مدظلہ نے حج کے بارے میں جس طرح اپنے تاثرات ومشاہدات کا اظہار کیا ہے وہ اپنے انداز کا مؤثر اظہار ہے۔

قیمت -/6

خواتین اور دین کی خدمت

خواتین کی کیا ذمہ داریاں ہیں، ان کے دینی وسماجی فرائض کیا ہیں وہ کس طرح دین کی خدمت کر سکتی ہیں۔ آخر میں مولاناؒ کی والدہ ماجدہ کی وہ تربیتی خطوط ہیں جو انہوں نے مولاناؒ کے نام ان کی تعلیم کے دوران لکھے تھے۔ قیمت۔ -/25

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

عہد حاضر کی مشہور دینی شخصیت اور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے حالات زندگی، ان کی شخصیت، ان کی نمایاں صفات، انداز تربیت، توازن وجامعیت، تعلق مع اللہ، خلوص ومحبت، فیض وتاثرات اور معرفت وسلوک کا ایمان افروز تذکرہ۔ قیمت مجلد۔ -/75

ذکر خیر حضرت مولاناؒ کی والدہ ماجدہؒ کے حالات زندگی، خود حضرت مولاناؒ کے قلم سے۔ قیمت -/15

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

LW/NP – 184

RIZWAN

R.N. 2416 /57

172/54 Mohammad Ali Lane Gwynne Road Lucknow-226 018.

Ph. 270406

بچوں کی

قصص الانبیاء

از: امۃ اللہ تسنیم

چار حصوں پر مشتمل اس کتاب میں بچوں کی آسان زبان میں نبیوں کے حالات لکھے گئے ہیں، صرف قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں، اس کتاب کے بارے میں مفسرِ قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں:-

"ان سے چھوٹے بھائی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "قصص النبیین للاطفال" اب نہ کسی تعریف کی محتاج ہے نہ تعارف کی، سلیس و شستہ عربی میں پیغمبروں کے سچے سبق آموز پُرہدایت حالات لڑکوں اور بوڑھوں سب کے پڑھنے کے قابل، ان بہن صاحبہ نے یہ کیا کہ انھیں مطالب کو عربی سے اُردو میں منتقل کر دیا ہے، کتاب ترجمہ نہیں ترجمے سے کچھ بڑھ کر ہے زبان کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، جو لڑکے لڑکیاں اس کو پڑھیں گے وہ ساتھ ساتھ اردو زبان بھی سیکھتے جائیں گے"

حصہ اول

حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود، حضرت صالح — قیمت

حصہ دوم، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام — قیمت

حصہ سوم، حضرت موسیٰ علیہ السلام — قیمت

حصہ چہارم حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام — قیمت

مکتبہ اسلام ۱۷۲/۵۴ محمد علی لین گوئن روڈ

لکھنؤ، یوپی — ۲۲۶۰۱۸

بیادگار حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

جلد ۴۶ | جولائی ۲۰۰۲ء | شمارہ ۷

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

معاونین

- اُمامہ حسنی
- میمونہ حسنی
- اسحاق حسینی
- جعفر مسعود حسنی

سالانہ چندہ

برائے ہندوستان :	۱۰۰/روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک :	۲۵/امریکی ڈالر
فی شمارہ :	۹/روپے

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

ماہنامہ رضوان ۱۷۲/۵۴، محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ۔۲۲۶۰۱۸

Phone : 270406

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کیلئے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ : ناشر کمپیوٹر لکھنؤ۔فون :281223-270119

کچھ اہم و مفید مطبوعات

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

کاروانِ زندگی حصہ اوّل	100/-
کاروانِ زندگی حصہ دوم	80/-
کاروانِ زندگی حصہ سوم	80/-
کاروانِ زندگی حصہ چہارم	90/-
کاروانِ زندگی حصہ پنجم	80/-
کاروانِ زندگی حصہ ششم	90/-
کاروانِ زندگی حصہ ہفتم	80/-
مطالعۂ قرآن کے اصول و مبادی (نیا ایڈیشن)	45/-
حج کے چند مشاہدات	6/-
خواتین اور دین کی خدمت	25/-
کاروانِ ایمان و عزیمت	35/-
دُعائیں	8/-
سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ	75/-
سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ	زیرِ طبع
نبی رحمت جدید ایڈیشن	150/-
سیرت سید احمد شہیدؒ (دو جلدوں میں)	200/-
تاریخ دعوت و عزیمت (پانچ جلدوں میں)	355/-
انسانی دُنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر	70/-

محترمہ اُمۃ اللہ تسنیم مرحومہ

زادِ سفر حصہ اوّل	75/-
زادِ سفر حصہ دوم	75/-
باب کرم	10/-
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ اوّل	15/-
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ دوم	15/-
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ سوم	15/-
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ چہارم	12/-
ہمارے حضورؐ	17
محمد رسول اللہ ہندی	زیرِ طبع
موج تسنیم اُردو	زیرِ طبع

از۔ مخدومہ خیر النساء بہترؒ

حسن معاشرت	15/-
کلید باب رحمت	6/-
ذائقہ	15/-
ذکر خیر	15/-

حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ کی تصنیفات

لبیک اللھم لبیک	30/-
سوانح حیات حضرت مولانا خلیلؒ سہارنپوری	50/-
سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی	150/-
زبان کی نیکیاں	15/-
گلدستہ حمد و سلام	6/-

از مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

دو مہینے امریکہ میں	90/-
جزیرۃ العرب	70/-
حج و مقامات حج	35/-
اُمت مسلمہ	70/-
سماج کی تعلیم و تربیت	35/-

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تصنیفات

معارف الحدیث مکمل	800/-
اسلام کیا ہے؟ اُردو	28/-
اسلام کیا ہے؟ ہندی	35/-
دین و شریعت	70/-
ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعت	65/-
قادیانیت مسلمان نہیں	22/-
آپ حج کیسے کریں	28/-

دیگر مصنفین کرام کی تصانیف

تذکرہ حضرت سید احمد شہیدؒ از۔ مولانا سید محمد حمزہ حسنی	45/-
تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ از۔ مولانا محمد الحسنیؒ	35/-
بشریت انبیاء از۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ	25/-
کتاب النحو از۔ حافظ عبدالرحمٰن امرتسریؒ	18/-
کتاب الصرف از۔ حافظ عبدالرحمٰن امرتسریؒ	20/-
بریلوی فتنہ کا نیا رُوپ از۔ مولانا عارف سنبھلی	28/-
تاریخ میلاد (حکیم الشکور)	20/-
مقالات سیرت (ڈاکٹر قدوائی)	40/-

مکتبہ اسلام ۱۷۲/۵۴ محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ۔۱۸

فون نمبر دفتر : 270406

فون نمبر رہائش : 229174

- اپنی بہنوں سے ..... مدیر ... ۳
- حدیث کی روشنی ..... امۃ اللہ تسنیم ... ۴
- قرآن کی تاثیر ..... مطیع الرحمٰن عوف ندوی ... ۵
- حضرت عروہ بن زبیرؓ ..... عبید اللہ ... ۸
- فیصلہ (سچی کہانی) ..... زینت کلیم .. ۱۴
- ڈاکٹر آم کے کرشمے ..... شکیل احمد . ۳۷

اپنی بہنوں سے

آج کل پوری دنیا میں اسلام کے خلاف مہم چل رہی ہے اور یہ مہم برطانیہ اور امریکہ کے یہودیوں کی قیادت میں برپا ہے امریکہ اور یورپ میں جس تیزی سے اسلام کی اشاعت ہو رہی تھی اور لوگ اسلام کے شجر سایہ دار کے نیچے پناہ لے رہے تھے خصوصاً اسلام میں خواتین کا جو بلند مرتبہ ہے اس سے یورپ کی خواتین زیادہ متاثر ہو کر اسلام جو دین فطرت اور دین رحمت ہے کی پناہ میں آ رہی تھیں، اس سے یہود بوکھلا گئے اور پوری قوت کے ساتھ اسلام کی مخالفت اور دشمنی پر اتر آئے جس کی وجہ ان کی فطرت کی وہ کجی ہے جس کی وجہ سے انہوں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں سے بغض وعداوت رکھی ہے اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے متعدد انبیاء کو قتل کیا اور ان کو ایذا پہونچائی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ یہودیوں نے شیطان اور اس کی ذریات کے نمائندوں کی حیثیت سے اس دنیا میں ہمیشہ دین حق کی مخالفت کرنا اور باطل کی حمایت کرنا اپنا قومی فریضہ سمجھا ہے۔ یہودیوں نے امریکہ و برطانیہ کے عیسائیوں کو استعمال کر کے اسلام اور مسلمانوں کو ہر ممکن نقصان پہونچانے اور اس کی اشاعت پر باندھ بنانے میں اپنے تمام وسائل اختیار کئے ٹیلیویژن ریڈیو پر چونکہ یہودیوں کا قبضہ ہے اور اکثر ملکوں میں اخباری صنعت اور دیگر ذرائع ابلاغ انہی کے قبضہ وتصرف میں ہیں اس سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے ہر طرف سے اسلام پر حملہ کیا ہے اور اسلام کو امن وامان کا دشمن قرار دے کر اس کو ختم کرنے میں لگ گئے ہیں۔

لیکن اب دھیرے دھیرے ان دشمنان خدا کی اڑائی ہوئی دھول بیٹھ رہی ہے اور حقیقت سامنے آ رہی ہے خود امریکہ کے دانشور یہ بات کہنے لگے ہیں کہ ۱۱ر ستمبر کا ٹریڈ سینٹر کا واقعہ خود ان سازشی عناصر کا کیا ہوا ہے جو امریکہ میں رہتے ہیں اور امریکہ کی ہر رگ کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے ہیں اور یہ مسلمانوں کا کیا ہوا حملہ نہیں تھا بلکہ یہودیوں کا سازشی حملہ تھا اس کی وجہ سے امریکہ اور یورپ کے دانشوروں میں یہ خیال عام ہو رہا ہے کہ یہودیوں کے لعنتی وجود سے ہم کو نجات حاصل کر لینا چاہئے اس سے قبل کہ امریکہ کی رگوں کا سارا خون چوس لیں جس طرح دوسری جنگ عظیم سے پہلے جرمنی کے ساتھ یہودیوں نے سلوک کیا تھا جس کی وجہ سے ان کے خلاف یورپ میں شدید نفرت وعداوت پیدا ہوئی تھی۔

اسلام کے خلاف اتنے طوفان اٹھانے کے بعد بجائے اس کے اسلام کے قدم امریکہ اور یورپ میں پیچھے ہٹتے الحمدللہ اشاعت اسلام کا کام اب پہلے سے زیادہ رفتار سے ہو رہا ہے اور وہاں کے باشندے اسلام کی طرف زیادہ مائل ہو رہے ہیں، اور اسلامی تعلیمات سے واقفیت حاصل کر رہے ہیں۔

اب ہمارا فریضہ ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ محنت اور ذمہ داری کے ساتھ مغربی ملکوں میں اسلام کی تعلیمات کا تعارف کرائیں اور اس دین رحمت کو پورے امریکہ اور یورپ کے لئے سایہ رحمت بنا دیں۔

امۃ اللہ تسنیم

ظاہری حالت پر احکام کا اجر

کلمہ کے بعد قتل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حرقہ کی طرف بھیجا جو جہینہ کے قبیلہ سے تھا۔ ہم نے لوگوں کے پانی پر صبح کی، میں اور ایک انصاری ان کے ایک آدمی سے ملی جب ہم نے اس کو اپنی تلواروں سے ڈھانپ لیا تو اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا۔ بس انصاری رک گئے اور میں نے اپنے نیزے سے اس کو قتل کیا، جب ہم واپس ہوئے اور یہ بات رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا اے اسامہ کیا تم نے اس کو لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ وہ تو پناہ چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اس کو لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کیا اور آپ اس کو برابر دہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ اے کاش میں اس واقعہ کے بعد اسلام لایا ہوتا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس کو کہتے رہے کیا کروگے لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ جب قیامت میں لا الٰہ الا اللہ آئے گا۔ (بخاری۔ مسلم)

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد اس کو قتل کیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اس کے دل کو چیر کر نیت دیکھی تھی، آپ برابر اس کو دہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ میں اس سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔

حضرت جندب بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی ایک فوج مشرکین سے مقابلہ کے لئے بھیجی۔ مشرکین میں ایک آدمی تھا جب کسی مسلمان کے قتل کا ارادہ کرتا تو فوراً اس کو قتل کر دیتا۔ ایک مسلمان اس کی غفلت کی تاک میں رہا۔ ہم اس کے متعلق گفتگو کرتے تھے کہ وہ غالباً اسامہ بن زید ہیں جب انہوں نے اس پر تلوار اٹھائی تو اس نے لا الٰہ الا اللہ پڑھا مگر اس کو قتل کر دیا۔ خبر رساں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور حالات بتلائے اور یہ بھی خبر دی کہ اسامہ نے اس طرح قتل کیا۔ آپ نے ان کو بلایا اور پوچھا کہ کس لئے تم نے قتل کیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ وہ مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیف دیتا تھا اور فلاں فلاں کو قتل کیا تھا۔ اس طرح ایک جماعت کے نام انہوں نے گنا دیئے میں نے اس پر تلوار اٹھائی تو اس نے تلوار دیکھ کر لا الٰہ الا اللہ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اس کو قتل کیا عرض کیا جی ہاں جب لا الٰہ الا اللہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کے ساتھ کیا کروگے؟

کہا یا رسول اللہ میرے لئے بخشش چاہیے۔ آپ نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کیا کروگے جب لا الٰہ الا اللہ قیامت کے دن آئے گا، آپ نے اس کے سوا کچھ بھی نہیں فرمایا یہی فرماتے رہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کیا کروگے جب قیامت کے دن لا الٰہ الا اللہ آئے گا۔ (مسلم)

ظاہری حالت پر فیصلہ

حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کے عیب وصواب کا اندازہ وحی کے ذریعے ہوتا تھا اسی کے مطابق جزا وسزا کا مستوجب ہوتا تھا لیکن اب وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اب ہم ظاہری اعمال پر تم کو پکڑیں گے جس شخص سے بھلائی ظاہر ہوگی اس سے ہم مطمئن ہوں گے اور اس کو اپنے قریب کریں گے اور اس کے دلی بھیدوں کو ہم کیا جانیں، اللہ ان کے بھیدوں کا حساب کرے گا اور جس سے برائی ظاہر ہوگی ہم اس سے مطمئن نہ ہوں گے اور نہ اس کو سچا سمجھیں گے اگرچہ وہ کہے کہ ہمارا باطن اچھا ہے۔ (بخاری)

●●●

مطیع الرحمٰن عوف ندوی

قرآن کی تاثیر

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر ایسی تاثیر رکھی ہے جو کسی دوسرے کلام میں نہیں پائی جاتی، قرآن مجید ہر فنی وادبی لحاظ سے کامل ومکمل ہے، یہ ایک ایسا کلام ہے جس کی نظیر پیش کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ اس وجہ سے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ کہا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل عرب جو خطابت وشاعری اور ادب کا فطری ذوق رکھتے تھے اور فصاحت وبلاغت ان کی رگوں میں خونِ حیات بن کر دوڑتی تھی، اور اپنے اس امتیاز کی وجہ سے وہ غرور اور فخر کے ساتھ دنیا کی تمام قوموں کو ''عجم'' (گونگا) کہا کرتے تھے، جب اس عرب قوم میں ایک نبی امی نے کلام الٰہی پیش کیا اور اعلان کیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے کوئی بھی بڑے سے بڑا ادیب وشاعر اس جیسا کلام لانے سے قاصر ہے۔ فرمایا:

لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن، لایاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا'' کہ اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن جیسا کلام پیش کرنا چاہیں تو نہیں پیش کرسکیں گے، خواہ وہ ایک دوسرے کی کتنی مدد نہ کریں۔

لیکن کیا ہوا فصاحت وبلاغت کے میدان میں سناٹا چھا گیا، اور ایک ایسے شخص کی زبان سے ادا ہونے والا کلام جس نے شعراء وادباء کی صحبت نہ اٹھائی تھی اور نہ ان کی محفلوں میں کبھی شرکت کی تھی، ایک عرب بھی ایسا نہ تھا جو اس چیلنج کو قبول کرتا، صرف یہی نہیں بلکہ بہت سے اسلام دشمن یا اسلام کے نہ ماننے والے بھی اس کلام کے اعجاز سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، ولید بن مغیرہ جو ابوجہل کا بھتیجہ تھا اس نے جب کلام ربانی سنا تو اس کی زبان سے برجستہ یہ الفاظ نکلے ''واللہ ان لقولہ الذی یقول حلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ..... وانہ یعلوا وما یعلی۔

خدا کی قسم یہ جو کلام بولتے ہیں اس میں بلا کی شیرینی اور رونق ہے.... یہ کلام غالب ہی رہتا ہے۔ مغلوب نہیں ہوتا۔ (الاتقان، ص ۱۱۷ ج ۲) اور جب ابوجہل کو اپنے بھتیجے کے اس تاثر کا علم ہوا تو وہ تنبیہ کرنے کے لئے اس کے پاس آیا، اس پر ولید نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! تم میں کوئی شخص شعر کے حسن وقبح کو مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں، خدا کی قسم! محمد جو کہتے ہیں شعر کو اس کے ساتھ کوئی مناسبت اور مشابہت نہیں ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی کلام الٰہی سے بہتوں کی زندگیاں بدل گئیں، اور جو راہ حق پر نہ تھے وہ ادباء وشعراء بھی قرآن کریم کی اثر انگیزی کا قولی یا علمی طور سے اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے، اور آج بھی اسلام کی آغوش میں پناہ لینے والے تعلیم یافتہ نوواردین میں بیشتر اسی کلام الٰہی سے متاثر ہوکر پناہ لیتے ہیں، اسی قرآن کریم نے صحابہ وتابعین اور اولیاء کی زندگیوں کے رخ کو پھیر دیا تھا، اور ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا کردیا تھا۔

حضرت فاروق اعظمؓ ایک بار مسجد میں آرام فرمارہے تھے کہ اچانک ایک شخص کو دیکھا جو آپ کے سرہانے کھڑا ہوا کلمۂ شہادت پڑھ رہا تھا پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں روم کے ان علماء میں سے ہوں، جو عربی اور دوسری بہت سی زبانیں خوب جانتے ہیں، میں نے ایک مسلمان قیدی کو تمہاری کتاب کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا اور پھر غور کیا تو وہ آیت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تمام آیتوں سے جامع ہے جو دنیا وآخرت کے احوال کے سلسلہ میں ان پر نازل ہوئی ہیں وہ آیت تھی۔ "من یطع الله ورسوله ویخش الله ویتبعه، فاولئك هم الفائزون"۔

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور ڈرتا رہے تو ایسے لوگ کامیاب ہیں۔

عیسائیوں کے ایک طبیب حاذق نے علی بن حسین واقدی سے سوال کیا کہ تمہاری کتاب قرآن میں علم طب کی کوئی بات ذکر نہیں کی گئی، حالانکہ علم کی دو قسمیں ہیں۔

علم الابدان وعلم الادیان، علی بن حسین نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ شانہ نے تو پورا علم طب نصف آیت میں بیان فرمادیا ہے، طبیب نے پوچھا وہ کونسی آیت ہے؟ کہا کہ کلوا واشربوا ولاتسرفوا۔

یعنی جو کھانے پینے کی چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو کھاؤ پیو اور حرام کی طرف نہ بڑھو۔ اور اس قدر زیادہ مقدار مت استعمال کرو جو مضر ہو۔

پھر طبیب نے پوچھا کہ کیا تمہارے نبی نے بھی اس طرح کچھ فرمایا ہے؟ انہوں نے فرمایا بیشک ہمارے حضور نے بھی چند الفاظ میں پوری طب کو سمیٹ دیا ہے طبیب نے پوچھا کیسے؟ انہوں نے کہا کہ حضور نے فرمایا؟

المعدة بيت الداء والحمية رأس كل دواء واعط كل بدن ما عودته۔

ترجمہ: معدہ امراض کا گھر ہے اور پرہیز سب سے بڑی دوا ہے، اور بدن کو وہ چیز دو جس کا تم نے اسے پہلے سے عادی بنایا ہے۔

طبیب نے کہا کہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمہاری کتاب نے جالینوس کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی۔

روایات میں آیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے حضور سے جب یہ آیت سنی۔

ان الله يامر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر۔

ترجمہ: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف، نکوکاری اور قریبی رشتہ داروں کو داد ودہش کا حکم دیتا ہے اور فحش اور بیہودہ باتوں سے روکتا ہے۔"

تو کہنے لگا کہ خدا کی قسم! اس کلام میں عجیب قسم کی مٹھاس اور رونق ہے اس میں بلا کی روانی اور شیرینی ہے۔

اس طرح دوسری روایت میں ہے کہ جب اس نے قرآن کریم سنا تو بڑی رقت طاری ہوئی، ابوجہل نے جب سنا تو تنبیہ کرنے اس کے پاس آئے، ولید نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! تم میں کوئی شعر کے حسن وقبح کو مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں، خدا کی قسم! محمد جو کہتا ہے اس کو کوئی نسبت اور مشابہت شعر کے ساتھ نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے قرآن مجید سناؤ، میں نے کہا، آپ ہی پر نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں، فرمایا ہاں! میں دوسرے سے سننا چاہتا ہوں، میں نے سورہ "نساء" پڑھنی شروع کی جب اس آیت پر پہونچا۔

فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا۔ (سورہ نساء۔ ع۔۵)

ترجمہ: سو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور لوگوں پر آپ کو بطور گواہ کے پیش کریں گے۔

تو مجھے کسی نے ہاتھ لگا کر متوجہ کیا، میں نے سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ مائدہ کی آیت۔

إن تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم۔ (المائدہ۔ ع۔۱۵)

(ترجمہ: تو اگر انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بھی تو زبردست ہے حکمت والا ہے۔)

پر پوری رات گذار دی اور صبح ہوگئی۔

زرارہ ابن اوفی کے متعلق تو یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ وہ جامع مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے، سورہ مدثر کی یہ آیت جب انہوں نے پڑھی۔

فاذا نقر فى الناقور۔ فذلك يومئذ يوم عسير۔ على الكفرين غير يسير۔ (المدثر۔ ع۔۱)

ترجمہ: پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا سو وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا نہ کہ آسان۔

تو ان کی روح پرواز کرگئی اور وہ گر گئے۔

بہزؒ ابن حکیم کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جو ان کی نعش اٹھا کر گھر لائے۔

خلیدؒ نماز پڑھ رہے تھے، جب انہوں نے آیت "كل نفس ذائقة الموت" پڑھی تو اس کو بار بار دُہراتے رہے، کسی نے گھر کے ایک گوشہ سے آواز دی، کہاں تک اس آیت کو دُہراتے رہو گے، نہ معلوم کتنوں کے جگر شق ہوگئے۔

امام ابوحنیفہؒ نے ایک مرتبہ تہجد میں آیت پڑھی۔

بل الساعة موعدهم والساعة أدهى وأمر۔ (القمر۔ ع۔۳)

ترجمہ: لیکن ان کا اصل وعدہ تو قیامت (کے دن) کا ہے اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے۔

وہ برابر اسی آیت کو دہراتے رہے حتی کہ صبح ہوگئی۔

یہ تو چند مثالیں تھیں، جن میں قرآن مجید کے اعجاز اور تأثر نے لوگوں کے احوال پر اثر کیا، لیکن اس طرح کے بے شمار واقعات تاریخ وسیرت کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں اور آج بھی اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کے اندر آج بھی وہی تاثیر اور اس کا وہی افادہ ہے جو نزول کے وقت تھا اور اس کی تلاوت سے جو کیفیت اور تأثر قرن اول کے لوگوں پر طاری ہوتا تھا آج بھی وہی کیفیت پیدا ہوسکتی ہے اور آج بھی وہ لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ ہے اور مسلمانوں کی زندگیوں کے رخ پھیرنے کا محرک ہے، بس ہم اس کی عظمت اور قدر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو سمجھیں اور پڑھیں۔

یورپ وامریکہ اور مغربی ممالک میں تعلیم یافتہ مرد وخواتین میں بیشتر لوگ محض قرآن مجید کو پڑھ کر اسلام قبول کررہے ہیں، اس وقت دنیا کی دوسری قوموں کے اندر قرآن مجید کو سمجھنے اور اس کو پڑھنے کا رجحان دن بدن بڑھتا جارہا ہے، چنانچہ یورپی ومغربی ملکوں میں قائم اسلامی سینٹروں نے بھی تفہیم قرآن کے لئے درس کا سلسلہ شروع کررکھا ہے اور ساتھ ہی وہ قرآن مجید کی تفسیر کے انگریزی ایڈیشن بھی انہیں تحفۃً دیتے رہتے ہیں۔ سیمینار اور کانفرنسیں ہوتی ہیں، خاص طور سے یونیورسٹیوں کے اندر جو غیر مسلم حضرات مشرقی علوم کے مضامین کو اپنا موضوع بناتے ہیں وہ قرآنی علوم اور براہ راست قرآن کے ذریعہ جلد اسلام کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

••

قارئین رضوان سے گذارش

خط وکتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، تاکہ دفتری کارروائی میں آسانی ہو۔

ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

"Rizwan Monthly"

عبیداللہ

حضرت عروہ بن زبیرؓ

سورج دن بھر کی گردش کے بعد تھک چکا ہے اور اب اپنی آخری سنہری کرنیں عالم پر ڈال کر بیت اللہ کے افق سے غائب ہونے والا ہے، اس کی گرمی سے پیدا ہونے والی تپش ٹھنڈی پڑتی جارہی ہے اور ارض حرم کا موسم کیف آور ہوتا جارہا ہے۔ موسم کے پیش نظر بیت اللہ کے عشاق پروانہ وار صحن حرم میں مقیم وموجود حضرات صحابہؓ واکابر تابعین نے طواف میں مشغول ہو کر تہلیل وتکبیر کے نعروں سے پوری فضا کو بھر دیا اور حرم کے ایک ایک گوشہ میں ان کے دعایہ کلمات گونجنے لگے۔

طواف سے فارغ ہو کر لوگ گروہ در گروہ بیت اللہ کے چہار جانب بیت اللہ کے شایان شان اکرام واحترام اور تعظیم وہیبت کے ساتھ بیٹھ رہے ہیں، اور بیت اللہ کے دلفریب منظر سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہے ہیں اور پست آواز میں حرم کے آداب کے مطابق دینی گفتگو بھی کرتے جارہے ہیں۔

بیت اللہ کا ایک گوشہ جو رکن یمانی کہلاتا ہے جو حجر اسود کی بائیں سمت کا بالمقابل کنارہ ہے، اس کے قریب چار نوجوان بیٹھے ہوئے ہیں نہایت خوبصورت، چہرے ولباس سے بڑے گھرانوں کے چشم وچراغ معلوم ہوتے ہیں، ان کے کپڑے ایسے صاف وسفید ہیں اور چاروں باہم ایسے گھلے ملے ہوئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ حرم کے کبوتروں کا ایک گروہ بیٹھا ہوا ہے۔

ان میں سے تین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء کے نونہال عبداللہ، مصعب اور عروہ ہیں اور چوتھے نوجوان عبدالملک بن مروان ہیں۔

یہ چاروں نوجوان پست آواز میں مصروف گفتگو ہیں کہ اچانک ان میں سے ایک نے کہا کہ ہر ایک اللہ سے اپنی تمنا وآرزو کا سوال کرے۔

یہ کہنا تھا کہ ہر ایک کا طائر خیال، عالم خیال کی وسعتوں میں پرواز کرنے لگا اور ان کے تصور کی آنکھیں ہزار قسم کی تمناؤں کے گرد چکر لگانے لگیں، پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جن کو صحابیت کا بھی شرف حاصل تھا، انہوں نے کہا:

میری تو آرزو یہ ہے کہ مجھے حجاز کی سلطنت اور خلافت اسلامیہ مل جائے۔"

ان کے بھائی حضرت مصعبؓ نے کہا:

میری تمنا ہے کہ مجھے کوفہ وبصرہ کی حکمرانی ملے اور اسے کوئی مجھ سے نہ چھینے۔"

عبدالملک بن مروان نے کہا:

آپ دونوں نے تو اسی قدر پر اکتفا کرلی جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، مگر میں تو ساری زمین کا بادشاہ بننا چاہتا ہوں اور حضرت معاویہ بن سفیان کے بعد خلافت اسلامیہ کے حصول کی آرزو وخواہش رکھتا ہوں۔"

اور حضرت عروہؓ نے خاموشی اختیار کی اور کچھ نہ کہا تو تینوں نے ان سے دریافت کیا کہ آخر تمہاری کیا تمنا ہے؟ انہوں نے فرمایا:

"آپ حضرات نے جن دنیاوی امور کی خواہش ظاہر کی ہے اللہ آپ کے لئے ان میں برکت عطا فرمائے، میں تو یہ تمنا رکھتا ہوں کہ باعمل عالم بنوں، لوگ مجھ سے کتاب اللہ اور سنت رسول کا، دین کے احکام کا علم حاصل کریں اور اسی طرح آخرت میں مجھے اللہ کی رضا حاصل ہو۔"

یہ نشست برخاست ہوئی، وقت گزرتا رہا، اور حالات پلٹا کھاتے رہے، اور اچانک وہ وقت آیا کہ یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر سے لوگوں نے

خلافت کی بیعت کی اور وہ حجاز ومصر کے اور یمن اور خراسان وعراق کے حاکم بنے مگر زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حرم مکہ میں بیت اللہ کے پاس مقام ابراہیم کے بہت قریب، جہاں بیٹھ کر انہوں نے حکومت وخلافت کی تمنا کی تھی، وہ شہید کردیئے گئے۔

حضرت عبداللہ نے ہی اپنے بھائی مصعب کو عراق کا گورنر بنایا تھا اور وہ بھی عراق میں شہید کردیئے گئے۔

پھر ایک وقت آیا کہ عبداللہ کے والد مروان، جو سلطنت بنوامیہ کے حکمران بن چکے تھے ان کا انتقال ہوا اور ان کی جگہ عبدالملک نے تخت سلطنت سنبھالا، اور حضرت عبداللہ وحضرت مصعب رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد وہ بالاتفاق اپنے زمانے میں دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ وحکمران مانے گئے۔

یہ تو ان چار نوجوانوں میں سے تین کا انجام ہوا، رہ گئے حضرت عروہؓ جنہوں نے دنیا کے بجائے دین کی آرزو وتمنا کی تھی، اب ان کا حال سنئے:

حضرت عروہ کی پیدائش حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری سال میں ہوئی تھی، ان کی پیدائش ایک ایسے گھرانے میں ہوئی تھی جو نہایت باعزت ومحترم گھرانا سمجھا جاتا تھا، اس لئے کہ ان کے والد حضرت زبیر بن عوامؓ تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصاحب خاص تھے اور آپ کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی بھی تھے، اسلام میں سب سے پہلے انہوں نے ہی تلوار اٹھائی اور وہ ان دس سعادت مند صحابہؓ میں سے تھے جن کو اسی دنیا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک ہی مجلس میں جنتی کی خوشخبری ملی تھی، اور حضرت عروہؓ کی والدہ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور ام المومنین حضرت عائشہ کی بہن حضرت اسماءؓ تھیں۔

ان کے نانا حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے عاشق وجان نثار، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سب سے افضل، حضور صلی اللہ کے خلیفہ تھے۔ ان کی دادی حضور صلی اللہ کی حقیقی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ ان کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ حضور صلی اللہ کی سب سے چہیتی بیوی تھیں جن کے انتقال کے موقع پر حضرت عروہؓ نے ہی ان کو قبر میں اتارا اور ان کی قبر کو بند کیا۔ اندازہ لگائیے کہ کیا اس سے بڑا کوئی خاندانی شرف ہوسکتا ہے؟ اور اس سے بڑھ کر کوئی عزت کی بات ہوسکتی ہے؟

حضرت عروہؓ نے بیت اللہ کے قریب بیٹھ کر جو تمنا کی تھی اس کو بروئے کار لانے اور اس کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے یہ کیا کہ انہوں نے خود کو ہر چیز سے کاٹ کر علم کی طلب میں لگا دیا اور اس کے لئے باقی ماندہ باحیات صحابہؓ کو غنیمت اور بڑی نعمت سمجھا۔ چنانچہ آپ ان کے گھروں پر جاتے، ان کے پیچھے نماز پڑھتے، ان کی مجالس کی فکر رکھتے اور اس طرح انہوں نے حضرت علیؓ حضرت ابوایوبؓ انصاری، حضرت اسامہؓ حضرت سعید بن زیدؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت نعمان بن بشیر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور علم کو حاصل کیا اور خاص طور سے اپنی خالہ حضرت عائشہ سے کسب فیض کیا، حتیٰ کہ آپ مدینہ منورہ کے ان سات مشہور فقہاء میں ہوئے جو اصاغر صحابہؓ اور اکابر تابعینؒ کے عہد میں افتاء کے باب میں امتیازی مقام اور سند کی حیثیت رکھتے تھے۔

عامۃ المسلمین ان سے فتاویٰ ومسائل پوچھتے تھے اور اہل اصلاح، حکام اور امراء اپنے ملکی معاملات اور رعایا کے مسائل میں ان سے مشورہ ومدد حاصل کرتے تھے۔

منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو جب ولید بن عبدالملک نے اپنی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم ووالی بنا کر بھیجا تو ان کے مدینہ پہنچنے پر شہر کے لوگوں نے حاضر خدمت ہو کر ان کو سلام کیا، انہوں نے ظہر سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کے دس فقہاء کو بلایا، جن کے بڑے وسربراہ حضرت عروہؓ ہی تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کے آنے پر ان کا استقبال کیا اور ان کا بڑا اکرام کیا، عزت کے ساتھ ان کو بٹھایا پھر اللہ کی حمد وثنا کرنے کے بعد فرمایا:

"میں نے آپ حضرت کو ایک ایسے کام کے زحمت دی ہے کہ آپ کو اس پر اجر ملے گا اور آپ اس کی وجہ سے میرے لئے حق پر معین ومددگار ہوں گے، میں یہ چاہتا

ہوں کہ آپ حضرات کے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کروں' نہ کوئی بات طے کروں' آپ سب موجود ہوں تو سب ورنہ جو موجود ہو اس کی رائے سے کام لوں۔ لہٰذا آپ حضرات اگر کسی پر ظلم کرتا ہوا پائیں یا میرے کسی کارکن کے کسی قسم کے ظلم کی کوئی خبر آپ تک پہنچے' تو میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے ضرور بتا دیجئے گا۔''

یہ سن کر حضرت عروہؓ نے ان کو خیر کی دعا دی اور ان کے حق میں اللہ کی جانب سے اصابت اور پختگی رائے اور صلاح و توفیق کی ہدایت کی امید ظاہر کی۔

حضرت عروہؓ صرف بڑے عالم ہی نہ تھے بلکہ بڑے باعمل بھی تھے۔ سخت گرمی کے دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے' راتوں کو ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ قرآن کریم سے ان کو بڑا گہرا تعلق تھا' بس اس کی تلاوت میں منہمک و مصروف رہا کرتے تھے۔ روزانہ دن میں چوتھائی قرآن کو دیکھ کر پڑھا کرتے تھے اور پھر اسی حصے کو رات میں تہجد میں بھی پڑھا کرتے تھے آغاز جوانی سے لیکر وفات تک ایک مرتبہ کے علاوہ کسی دن بھی آپ کا اس معمول کو ترک کرنا منقول نہیں' اور ایک مرتبہ جو آپ سے یہ معمول چھوٹا تھا تو نہایت اہم و اندوہناک حادثہ کی وجہ سے جس کا تذکرہ آگے آنے والا ہے۔

حضرت عروہؓ کو نماز سے اتنا شغف تھا کہ ان کو اپنی راحت و چین' آرام و سکون' آنکھوں کی ٹھنڈک اور جنت کا لطف نماز میں ہی محسوس ہوتا تھا' یہی وجہ ہے کہ آپ نماز نہایت عمدگی و اہتمام اور حقوق و آداب کی رعایت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور بہت لمبی نماز پڑھتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک شخص کو نہایت مختصر نماز پڑھتے دیکھا تو نماز سے فارغ ہونے پر اس کو بلایا اور اس فرمایا کہ بیٹے کیا تم اللہ کے یہاں اپنی کوئی ضرورت نہیں رکھتے؟ بخدا میں تو نماز میں اپنے اللہ سے اپنا سب کچھ مانگتا ہوں حتیٰ کہ نمک بھی اسی مانگتا ہوں۔

حضرت عروہؓ بہت ہی سخی تھے ان کی سخاوت کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے اہم ترین باغات میں سے ایک ان کا باغ بھی تھا جس کے کنوئیں کا پانی نہایت شیریں' درخت سایہ دار' لمبے لمبے اور گھنے تھے' اور وہ پورے سال اپنے باغ کی دیوار بنواتے رہتے تھے تاکہ باغ کے درختوں کو محفوظ کیا جا سکے' جانوروں کے نقصان سے بھی اور بچوں کے کھیل کود کی وجہ سے ہونے والے نقصان سے بھی' لیکن جب کھجور کی فصل تیار ہو جاتی' پھل پک جاتے اور ان کے کھانے کی رغبت و شوق کا وقت آ جاتا تو ادھر ادھر سے دیوار کا اکثر حصہ گرا دیتے تاکہ لوگوں کو اندر آنے کی عام اجازت ہو جائے' چنانچہ ادھر ادھر آنے جانے والے باغ میں آیا کرتے اور ان کے باغ کے بہترین و لذیذ پھلوں کو کھاتے اور ساتھ ہی جتنا لے جانا پسند کرتے یا ساتھ لے جا سکتے ساتھ بھی لے جاتے۔

ان کی عادت تھی کہ جب بھی اپنے اس باغ میں آتے تو اس آیت کریمہ کی تلاوت کیا کرتے تھے' جس کا ترجمہ یہ ہے:

جس وقت اپنے باغ میں پہنچا تھا تو' تو نے یوں کیوں نہ کہا کہ جو اللہ کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے اور خدا کی مدد کے بغیر کوئی قوت نہیں۔''

ولید بن عبدالملک کی خلافت کے عہد میں ایک سال اللہ نے حضرت عروہؓ کا سخت امتحان لیا جس میں مضبوط دل و جگر والے اور پختہ ایمان والے ہی ثابت قدم رہ سکتے تھے۔

ہوا یہ کہ خلیفہ نے حضرت عروہؓ کو دمشق آنے کی دعوت دی تاکہ وہ ان کی زیارت کا شرف حاصل کر سکے' انہوں نے دعوت کو منظور فرما کر اپنے بیٹے کے ساتھ سفر کیا' جب خلیفہ کے پاس پہنچے تو اس نے ان کا بڑا پر جوش استقبال کیا' ان کو خوش آمدید کہا اور ان کا بڑا ہی اعزاز و اکرام اور بڑی خاطر مدارات کی' پھر اللہ کی مشیت سے حالات کا رخ بدل گیا' ہوا یہ کہ حضرت عروہؓ کے صاحبزادے ایک دن ولید کے ایک اصطبل میں گئے تاکہ ولید کے بہترین گھوڑوں کو دیکھیں' اتفاق سے ایک جانور نے ان کو ایسی چوٹ ماری کہ وہ ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی' اور ابھی ان کے والد حضرت عروہؓ نے اپنے بیٹے کی قبر کی مٹی کو اپنے ہاتھ سے جھاڑ ہی تھا کہ ان کے پیروں میں گینگرین ہو گیا جس کی وجہ سے ان کی پنڈلی سوج گئی

اور ورم برابر بڑھتا و پھیلتا ہی رہا۔

خلیفہ نے اپنے مہمان کے اعزاز میں چاروں طرف کی اطباء و معالجین کو جمع کیا اور ان کو ہر ممکن طریقے سے ان کے علاج کی تاکید کی' لیکن اطبا نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ اگر ان کے باقی جسم اور ان کی جان کو محفوظ رکھنا ہے تو اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ ان کی پنڈلی کو کاٹ کر جسم علیحدہ کر دیا جائے' چار و ناچار ان کو بھی یہ ماننا پڑا' چنانچہ جراح آ گیا اور اپنے ساتھ آلات بھی لایا' کام شروع کرنے سے پہلے ان سے کہا کہ ہم آپ کو چند گھونٹ شراب پلانا چاہتے ہیں تاکہ آپ آپریشن اور کاٹ پیٹ کے درد و تکلیف کو محسوس نہ کر سکیں۔

انہوں نے فرمایا کہ ہرگز نہیں' میں اپنے آرام کی خاطر حرام چیز سے مدد لوں' یہ نہیں ہو سکتا۔

پھر اس نے کہا اچھا ہم بے ہوشی کوئی دوا دے دیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تکلیف کے احساس کے بغیر میرے جسم کا کوئی حصہ جدا ہو مجھے یہ پسند نہیں میں یہ چاہتا ہوں تکلیف ہو اور میں صبر کر کے اللہ سے اجر حاصل کروں۔

آخر کار جراح نے یونہی آپریشن کا ارادہ کر لیا جب اس نے پنڈلی کاٹنے کا ارادہ کیا تو چند آدمی ان کی طرف بڑھے' انہوں نے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ کہا گیا کہ یہ لوگ اس لئے آئے ہیں تاکہ آپ کو پکڑ لیں' اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو تکلیف زیادہ ہو اور اس کی وجہ سے آپ اپنا پیر کھینچ لیں اور پھر آپ کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو واپس کر دو' ان کی ضرورت نہیں ہے' میں انشاء اللہ ذکر و تسبیح میں مشغول رہوں گا اور کام ہو جائے گا۔

ان کے اس فرمان پر طبیب نے اپنا کام شروع کیا' اس دوران حضرت عروہؓ لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتے رہے' جراح اپنے کام میں مشغول رہے حتیٰ کہ پوری ہڈی کٹ گئی اور کاٹنے کے بعد فوراً ان کی پنڈلی کھولتے ہوئے تیل میں ڈبو دی گئی تاکہ خون کا جوش ختم تھم جائے اور زخم بند ہو جائے اس وقت ان پر اتنی طویل بے ہوشی طاری ہوئی کہ اس کی وجہ سے ان کے اس معمول کا ناغہ ہو گیا جس کا تذکرہ پیچھے گزرا ہے۔

پھر جب وہ ہوش میں آئے تو انہوں نے اپنا کٹا ہوا پیر منگایا اور ہاتھ میں لے کر اسے ادھر ادھر گھمایا اور فرماتے رہے کہ: ''اس ذات کی قسم! کہ جس نے مجھے تیرے اوپر رات کے اندھیروں میں مسجد تک پہونچایا' وہ خوب جانتا ہے کہ میں تجھ کو کسی حرام کی طرف کبھی نہیں لے گیا۔''

پھر حضرت معن بن اوس کے تین شعر پڑھے' جن کا ترجمہ یہ ہے:

بخدا میں نے اپنا ہاتھ کسی غلط کام کے لئے نہیں بڑھایا' اور نہ میرے پیر مجھ کو کسی بے حیائی کے کام کی طرف لے گئے اور نہ میرے کان و ناک کسی ایسے کے لئے میرے رہنما بنے' اور نہ میرے رائے و عقل نے ہی مجھے اس کی راہ سجھائی' اور مجھے معلوم ہے کہ مجھے زمانہ کی وہی مصیبت پہنچے گی جو مجھ سے پہلے کسی نہ کسی جوان کو پہنچ چکی ہے۔''

ولید بن عبدالملک کو اپنے اس مہمان کی یہ افتاد بڑی گراں گزری کہ چند دنوں کے اندر حضرت عروہؓ کے صاحبزادے نے بھی وفات پائی اور ان کے جسم کو بھی اتنا بڑا نقصان پہنچا' وہ اس فکر میں تھا کہ آخر کیسے ان سے تعزیت کروں' اور ان آفات پر ان کو صبر دلاؤں؟ اتفاق سے دارالخلافہ میں بنو عبس کی ایک جماعت آئی جس میں ایک آدمی کمزور نظر کا تھا' ولید نے اس سے پوچھا کہ آخر یہ کیسے ہوا؟ اس نے بتایا کہ:

امیر المومنین! بنو عبس میں مجھ سے بڑا مالدار اور اہل اولاد والا کوئی نہ تھا' اتفاق سے میں اپنے مال و عیال کے ساتھ اپنی قوم کے علاقہ میں ایک وادی میں مقیم تھا کہ اچانک رات کو ایسا سیلاب آیا کہ ہم نے کبھی ویسا سیلاب نہیں دیکھا' وہ سب کچھ' سارا مال اور سارے عیال کو بہا کر لے گیا' بس صرف ایک اونٹ بچا اور ایک نومولود بچہ بچا' اور اونٹ بھی بڑا شوخ تھا' وہ مجھ سے رسی چھڑا کر بھاگا' میں نے بچے کو زمین پر لٹایا اور اونٹ کے پیچھے میں ذرا ہی آگے بڑھا تھا کہ بچے کی چیخ کانوں میں پڑی' مڑ کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بھیڑیا اس بچے کے سر کو منہ میں لے کر چبا رہا ہے' میں جلدی سے اس کی طرف دوڑا مگر اس بچے کو بچا نہ سکا اس لئے

کہ بھیڑیئے نے اس کو ختم کر دیا تھا' اس کے بعد میں نے پھر اونٹ کا پیچھا کیا اور اس کے پاس پہنچ گیا' قریب پہنچتے ہی اس نے مجھے ایسا مارا کہ میری پیشانی پھوٹ گئی اور میری بینائی جاتی رہی' اور اس طرح ایک ہی رات میں' میں مال' اہل وعیال اور بینائی سے محروم ہو گیا۔"

ولید نے یہ قصہ سن کر کہا اس شخص کو ہمارے محترم مہمان کے پاس لے جاؤ' یہ ان کو اپنا قصہ سنائے تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جنھوں نے بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کیا ہے۔

دمشق سے واپسی پر جب حضرت عروہؓ کو مدینہ پہنچایا گیا اور وہ گھر کے اندر لے جائے گئے تو گھر والوں میں پہنچتے ہی انہوں نے فرمایا:

دیکھو میرے حالات سے ہرگز پریشان مت ہوں' اللہ نے مجھے چار بیٹے عطا کئے ہیں اور ان میں سے بس ایک کو لیا ہے اور تین کو میرے لئے چھوڑ دیا ہے' الحمدللہ! اور مجھے دو ہاتھ اور دو پیر عطا کئے اور ان چاروں میں سے بس ایک کو لیا ہے' تین الحمدللہ میرے پاس موجود ہیں' اور بخدا اس نے مجھ سے لیا کم ہے اور جو چھوڑا ہے وہ زیادہ ہے' اور اگر ایک مرتبہ مصیبت میں ڈال دیا ہے تو راحتوں اور عافیت میں کتنا رکھا ہے۔"

ان کے ان احوال کی خبر مدینہ منورہ پہلے ہی پہنچ چکی تھی' اہل مدینہ کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ ان کے مقتدا اور رہنما واستاد مدینہ پہنچ گئے ہیں تو لوگ ان کی غم خواری اور تعزیت کے لئے ان کے گھر پر ٹوٹ پڑے اور ان سے تعزیت کی۔

تعزیتی کلمات میں سب سے بہتر بات ابراہیم بن محمد بن محمد طلحہ نے فرمائی انہوں نے آپ کو آپ کی کنیت سے مخاطب کر کے فرمایا:

یا ابو عبداللہ! آپ کے لئے تو خوشی ومسرت کا مقام ہے کہ آپ کا ایک عضو اور آپ کا ایک جگر گوشہ آپ سے پہلے جنت میں پہنچ چکے ہیں' اور انشاء اللہ جب ایک حصہ وہاں پہنچا ہے تو سب کا سب بھی وہاں پہنچے گا' اور اللہ نے ہمارے حق میں آپ سے وہ سب باقی رکھا ہے جس کے ہم ضرورت مند ہیں' اور اس سے ہم صرف نظر نہیں کر سکتے' اور وہ آپ کا علم' آپ کی فقاہت اور آپ کی رائے ہے۔ اللہ ہم کو اور سب کو ہی اس سے فائدہ پہنچائے' اللہ آپ کے ثواب کا ذمہ دار ہے۔"

حضرت عروہؓ تا زندگی مسلمانوں کے لئے ہدایت کے مینارہ دائمی کامرانی وبامرادی کے لئے رہنما اور خیر کے داعی کی حیثیت سے رہے اور جہاں انہوں نے عام مسلمانوں کے بچوں کی تربیت وتادیب کی فکر' وہاں اپنے بچوں کی تربیت واصلاح کا بھی بڑا اہتمام فرمایا اور ان کی رہنمائی کے لئے ہر موقع غنیمت جانا' اور جب بھی ان کی نصیحت اور ہدایت کا کوئی موقع سامنے آیا تو اس سے فائدہ اٹھایا اور ان کو فائدہ پہنچایا۔

اس کے تحت انہوں نے اپنے بچوں کو علم کی تحصیل وطلب کی بڑی تاکید فرمائی' ان سے فرمایا کرتے تھے:

اے میرے بچو! علم حاصل کرو اور علم کا جو حق ہے اس کے مطابق اس میں لگو کہ اگر معاشرہ میں چھوٹے ہو گے تو اس کے طفیل بڑے شمار ہو گے۔"

پھر فرماتے:

افسوس کیا دنیا میں کوئی چیز اس بوڑھے سے بھی بدتر ہو سکتی ہے جو جہالت کے سمندر میں غوطے کھا رہا ہو؟"

اسی وجہ سے آپ خود بڑے اہتمام سے ان کو تعلیم دیا کرتے تھے اور ان سے کہا کرتے تھے کہ موقع ملنے پر مجھ سے پوچھتے رہا کرو' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے صاحبزادگان کو مختلف علوم وفنون میں امتیاز عطا فرمایا تھا۔

وہ اپنے بچوں کو یہ بھی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ صدقہ کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جانے والا ہدیہ ونذرانہ سمجھا کرو' چنانچہ فرماتے:

میرے بچو! اللہ تعالیٰ کو کبھی بطور نذرانہ وہ چیز نہ پیش کرو جسے تم اپنی قوم کے کسی باعزت کے سامنے پیش کرنا پسند نہ کرو۔ اس لئے کہ اللہ سب سے بڑھ کر عزت وشرف والا اور ہدایا ونذرانوں کی پیشکش کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔"

وہ اپنے بچوں میں مردم شناسی کا جوہر

پیدا کرنے کے لئے سعی ورہنمائی فرماتے تھے کہ وہ ہر ایک کو بصیرت کی نگاہوں سے جانچیں اور پرکھیں' فرمایا کرتے تھے:

میرے بچو! جب کسی کا کوئی بھلا کام بر موقع اور بار آور وسودمند دیکھو تو اس سے خیر کی امید رکھو اگرچہ انسانوں کی نگاہوں میں وہ آدمی کتنا ہی برا ہو اس لئے کہ ایسا ایک ہی کام کو اس انداز پر کرنے والا نہ ہوگا بلکہ ایسے دوسرے بہت سے کام بھی کرتا ہوگا' اور کسی کے برے کام کو بدترین حال ونتیجہ کے ساتھ دیکھو تو اس سے ہوشیار رہو اور دور رہو خواہ وہ دوسروں کی نگاہوں میں کیسا ہی اچھا ہو اس لئے کہ وہ اسی انداز کے دوسرے برے کام بھی کرتا ہوگا۔ دھیان رکھو! ایک بھلائی دوسری بھلائیوں کی راہ کھولتی ہے اور اس کی دلیل ہوتی ہے' ایسے ہی ایک برا کام دوسرے برے کاموں کی بنیاد بنتا ہے اور اس کی دلیل ہوتا ہے۔"

وہ ان کو خوش کلامی اور نرم روی اور کشادہ روئی کی بھی تاکید کیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ:

میرے بیٹو! حکماء کے کلام میں لکھا ہے کہ تیری گفتگو اچھی اور تیرا چہرہ کشادہ ہونا چاہئے کہ اس کی وجہ سے تو دوسروں کی محبت ان لوگوں سے زیادہ حاصل کر سکے گا جو ان پر مال ودولت خرچ کیا کرتے ہیں۔"

اگرچہ وہ بڑا نفیس مزاج رکھتے تھے' روزانہ غسل کے عادی تھے' بہترین لباس زیب تن فرماتے تھے اور اچھی ہیئت میں رہا کرتے تھے' خضاب بھی استعمال کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ان کا مزاج تھا کہ جب لوگوں کو ترفہ اور تنعم وعیش پرستی کے نقشوں کی طرف مائل اور ان میں منہمک پاتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور اس کی تنگی وعسرت ان کو یاد دلاتے چنانچہ حضرت محمد بن منکدر نے اسی سلسلہ میں ان سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ میری حضرت عروہؓ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

میں اپنی والدہ (یعنی خالہ) حضرت عائشہؓ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ بیٹے! میں نے عرض کیا جی فرمایئے فرمایا کہ بخدا ہم پر چالیس دن اس حال میں گزر جاتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چراغ کی صورت میں بھی آگ روشن کرنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ پھر آپ لوگوں کا گزر بسر کس چیز پر ہوتا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ بس کھجور اور پانی پر۔"

حضرت عروہؓ کی عمر ۷۱ سال ہوئی، یہ پورا عرصہ انہوں نے طاعات اور تقویٰ کے ماحول میں گزارا، اور ان کی پوری زندگی طاعات سے بھرپور اور تقویٰ کے نور سے منور تھی، ان کا انتقال ۹۳ ہجری یا ۹۴ ہجری میں ہوا، اور ان کی موت روزے کی حالت میں ہوئی۔ حالانکہ طبیعت بگڑنے پر گھر والوں نے روزہ توڑ دینے پر اصرار کیا، مگر انہوں نے یہ سوچ کر انکار کیا کہ روزہ دار مریں گے تو نہر کوثر کے پانی سے افطار کریں گے جو ان کو چاندی جیسے سفید اور شفاف شیشے کی طرح صاف شفاف برتنوں میں جنت کی حوروں کے ہاتھوں پیش کیا جائے گا۔

عہد تابعین کے اکابر علماء وفضلا میں حضرت عروہؓ کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے کہ انہیں اپنے حاصل کردہ معلومات کو لکھنے اور جمع کرنے کا اہتمام تھا۔ اس طرح انہوں نے بہت سی کتابیں اور مجموعے تیار کر لئے تھے، اگرچہ ان کا کچھ حصہ بعد میں جلا دیا تھا، اور لکھنے کا ان کو اتنا اہتمام تھا کہ اپنے شاگردوں کو بھی املا کرا کے لکھا کرتے تھے، دوسرے علوم سے کمال مناسبت ومہارت کے ساتھ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات واسلامی تاریخ سے بھی بڑا شغف تھا اور ان کی معلومات میں وہ فائق سمجھے جاتے تھے، چنانچہ خلفاء وامراء حتیٰ کہ علماء بھی ان سے سلسلہ کے حالات معلوم کرتے اور وہ حسب موقع زبانی یا تحریری جواب دیا کرتے تھے۔ اسی طرح لکھنے کے باب میں ان کا سب سے ممتاز تحریری کارنامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور غزوات کو کتابی صورت میں جمع کرنا ہے جس کو عہد تابعین میں اس سلسلہ کی سب سے اہم کتاب شمار کیا گیا ہے اور ہر عہد میں اس کی شہرت رہی ہے' اور لوگ اس کتاب اور اس کی معلومات کو نقل وروایت کرتے رہے۔

●●

سچی کہانی

فیصلہ

زینت کلیم

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا یہ عقیدہ بلکہ ایمان ہے کہ ہمیں اپنے ہر دنیاوی قول وعمل کے۔ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ کھلا ہو یا چھپا۔ جواب دہی آخرت میں کرنا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، جیسا یہاں بوؤ گے ویسا وہاں کاٹو گے اس کلیہ کے تحت اگرچہ حساب کتاب۔ سزا جزا قیامت کے دن ہونا ہے۔ لیکن کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ مشیت الٰہی سے ہمارے کسی اچھے یا برے عمل کا بدلہ اسی دنیا میں مل جاتا ہے خواہ وہ جزوی ہو یا کلی۔ اور اس کا مقصد غالباً یہ ہے کہ ایسے واقعات کو بطور مثال پیش کر کے نوع انسانی۔ اور خاص طور سے امتِ مسلمہ۔ کو بار بار یہ یاد دلایا جاتا ہے کہ انہیں آخر کار اپنے اعمال کی جواب دہی کے لے منصفِ حقیقی کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ اس لئے وہ اس چند روزہ دنیای زندگی کو غفلت اور ناعاقبت اندیش میں نہ گذاریں۔

میرا نام زینت ہے میں نے ایک غریب اور مفلوک الحال گھر میں آنکھیں کھولیں۔ میرے والد علی بخش، بڑھئی تھے، لکڑی کے کاری گر۔ اور وہ بھی عام درجہ کے چنانچہ دال روٹی کے علاوہ اگر کبھی گھر میں گوشت پک جاتا تھا، اس دن گویا ہماری عید ہو جاتی تھی۔ شکر خدا کا یہ تھا کہ کنبہ کچھ بڑا نہیں تھا۔ صرف چار افراد تھے ابا اور اماں۔ میں اور میرا چھوٹا بھائی اقبال۔ پھر یہ بھی بڑی بات تھی کہ ہمارا گھر اگرچہ چھوٹا اور نیم پختہ تھا میرا بھائی اقبال مجھ سے تقریباً چار برس چھوٹا تھا، جب وہ پیدا ہوا تو معلوم نہیں ابا نے یا تو از خود یا کسی کے مشورے سے اس کا نام اقبال اس لئے رکھا تھا کہ انہیں امید تھی کہ وہ ہمارے لئے باعث اقبال ثابت ہوگا۔ ایک نہ ایک دن ہمارے حالات بدل جائیں گے۔

مگر ابا نے مجھے اور اقبال دونوں کو تھوڑی بہت تعلیم دلانے کا فیصلہ کیا میں پانچ چھ برس کی ہوئی تو پڑوس میں ایک ملانی صاحبہ سے قاعدہ پڑھنے جانے لگی اور اقبال چار برس کی عمر کو پہنچا تو ابا نے اسے محلّہ کی مسجد کے پیش امام کے حوالے کر دیا جو صبح سے دوپہر تک مسجد میں محلے کے بچوں کو قاعدہ اور قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے میں اور اقبال دونوں کو ہی پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ مگر اقبال مجھ سے کہیں زیادہ تیز ذہین اور ہوشیار طالب علم ثابت ہوا کچھ یہ وجہ بھی تھی کہ ملانی جی کے گھر میں لڑکیوں کو صرف پڑھنا ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کے بہت سے گھریلو کام بھی انجام دینا پڑتے تھے۔ مثلاً جھاڑو دینا۔ برتن مانجھنا۔ مصالحہ پیسنا۔ ان کے چھوٹے بچوں کو بہلانا جب کہ مسجد میں لڑکوں پر ایسی کوئی اضافی مشقت نہیں تھی بلکہ اول تا آخر صرف پڑھنا لکھنا ہی ہوتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہاں پڑھائی کی رفتار کہیں زیادہ تیز تھی۔ چنانچہ اگرچہ میں نے اقبال سے دو برس پہلے ہی پڑھنا..... شروع کیا تھا مگر اس کا اور میرا قرآن مجید چند ماہ کے فرق سے آگے پیچھے ختم ہوا۔ امام صاحب نے ابا سے اقبال کے شوق محنت اور ذہانت کی بہت تعریف کی یہاں تک کہ کہہ دیا کہ یہ بچہ غیر معمولی ذہنی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر اسے تحصیل علم کا موقع نہیں دیا گیا۔ تو یہ ایک طرح سے اس پر ظلم ہوگا۔ ابا پہلے ہی اقبال کو آگے پڑھانے کا ارادہ کر رہے تھے امام صاحب کا مشورہ سن کر ان کا ارادہ اور بھی پختہ ہوگیا اور انہوں نے اسے پرائمری اسکول میں داخل کرادیا۔ اقبال اسکول جانے لگا تو مجھے بھی زبان کھولنے کی ہمت ہوئی۔ میں اماں کے سامنے روئی گڑگڑائی۔ اماں نے ابا سے بات کی لیکن مشکل یہ تھی کہ لڑکیوں کا اسکول ہمارے گھر سے کافی دور..... ایک محلّہ میں واقع تھا۔ ابا شروع میں تو بالکل راضی نہیں تھے۔ مگر جب اقبال نے بھی میری طرفداری کی اور یہ وعدہ کیا کہ وہ روزانہ خود مجھے اسکول چھوڑنے اور وہاں سے واپس لانے جایا کرے گا تو آخر انہوں نے اجازت دیدی۔

لیکن میری تعلیم کا سلسلہ پانچویں کلاس سے آگے جاری نہ رہ سکا۔ جس کی بنیادی وجہ غالباً یہ تھی کہ اقبال پرائمری اسکول سے نکل کر سیکنڈری میں چلا گیا تھا اور اب اس کا اسکول گھر سے اتنی دور چلا گیا تھا کہ وہ مجھے نہ ہی اسکول چھوڑ سکتا تھا اور نہ لینے جاسکتا تھا۔ میں مجبوراً اپنی قسمت پر شاکر ہوکر گھر میں بیٹھ گئی۔ علم حاصل کرنے کا شوق کم نہ ہوا تھا چنانچہ میں نے اپنا مطالعہ برابر جاری رکھا۔ پھر دو تین سال کے بعد جب اقبال بڑی جماعتوں میں پہنچا تو اس نے تھوڑا تھوڑا کر کے اگلی جماعت کا کورس لادیا اور میں گھر پر اس کی مدد سے اپنی تعلیمی استعداد بڑھاتی چلی گئی۔ ہمارے گھر کے حالات بدستور تھے ابا پوری محنت کرتے تھے مگر چونکہ انہیں اپنے کام میں زیادہ مہارت حاصل نہیں تھی اس لئے انہیں نسبتاً کم اجرت ملتی تھی۔ اور اس میں بھی یہ تھا کہ کام مسلسل جاری نہیں رہتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں ابا کی مالی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنے ارادے اور اقبال کے شوق کے باوجود اس کی تعلیم جاری رکھ سکتے۔ یہ مرحلہ بھی اقبال کی محنت نے آسان کیا۔ وہ پہلی جماعت سے ہی کلاس میں فرسٹ پوزیشن حاصل کر کے کامیاب ہوتا رہا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آٹھویں جماعت سے..... وظیفہ ملنے لگا۔ وظیفے کی رقم اتنی تھی کہ اس سے نہ صرف اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرتا تھا بلکہ سال میں اپنے ایک دو جوڑے کپڑے بھی بنالیتا تھا۔ اور میرے لئے کتابیں بھی لاتا رہتا تھا۔

اس دور کی تفصیلات میں کوئی اور خاص بات قابلِ ذکر نہیں سوائے اس کے کہ اقبال جیسے جیسے سن شعور کو پہنچتا گیا ویسے ویسے گھر کے ناگفتہ بہ حالات سے اس کا ذہن اور اس کے نظریات متاثر ہوتے گئے۔ دولت اور دنیا میں سامان عیش وراحت سے محرومی نے اس کے اندر ایک عجیب انتقامی جذبہ پیدا کردیا۔ ہمارے گھر میں مذہب کا خاصا چرچا تھا۔ ابا اور اماں دونوں بڑی پابندی سے روزے نماز کے عادی تھے اور ابا کو اکثر اپنی سادگی، سیدھی سادی طبیعت او رنرم مزاجی کے باعث دوسروں کے ہاتھوں نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ مثال کے طور پر انہوں نے کسی سے کسی کام کی کچھ اجرت طے کی۔ کام کردیا بلکہ کچھ زیادہ ہی کردیا لیکن ان کی سادہ مزاجی کے باعث کام کرانے والے نے ان کی جائز مزدوری نہیں دی اور ابا خاموشی سے گھر چلے آئے۔ اسی طرح وہ دیکھتا تھا کہ جس کے پاس دولت ہے وہ شرافت اور عظمت کردار سے خالی ہونے کے باوجود شریفوں کا شریف بنا بیٹھا ہے اور جس کے پاس دولت نہیں ہے لوگ اسے اپنی اغراض کے لئے نقصان پہنچانے سے بھی باز نہیں آتے ممکن ہے کہ یہ ماحول کا اثر ہو یا ممکن ہے وہ فطرتاً کچھ ایسی ہی طبیعت لے کر پیدا ہوا کہ اس نے صحیح یا غلط دنیا میں ترقی وکامرانی کے لئے دولت کا حصول ضروری سمجھ لیا اور اس کی تمام جد وجہد تمام مساعی اور تمام ذہانت کا مرکز ومحور صرف اور صرف دولت بن کر رہ گئی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ اعلیٰ تعلیم اس لئے حاصل کر رہا ہے کہ ایک دن اسی تعلیم کے بل بوتے پر وہ دولت کی روٹھی ہوئی دیوی کو جبراً اپنے گھر آنے پر مجبور کردے گا اور اس دن وہ پورے معاشرے سے جو ہمیں حقیر وذلیل ومنیال کرتا ہے گن گن کر بدلہ چکائے گا۔

بچپن ہی سے اقبال چیزوں کی ساخت اور بناوٹ جاننے اور سمجھنے سے دلچسپی رکھتا تھا۔ ہمارے گھر میں تو عام کھلونوں کا گذر بھی بہ مشکل ہی ہوتا تھا۔ مشینی کھلونوں کا تو ذکر ہی کیا۔ لیکن پڑوس میں ایسے کئی گھر تھے۔ جہاں بچوں کے پاس چابی والے کھلونے موجود تھے۔ اقبال ان کھلونوں میں بڑی دلچسپی لیتا تھا۔ توڑنے کا موقع تو اسے کم ہی ملتا تھا لیکن اپنے دوستوں کے ٹوٹے ہوئے کھلونے اکثر گھر اٹھالاتا تھا اور انہیں دوبارہ جوڑنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی کامیاب بھی ہوجاتا تو اس کی خوشی دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ اسکول میں استادوں نے اس کی رجحان طبع کو دیکھتے ہوئے اسے انجینئرنگ لائن میں جانے کا مشورہ دیا۔

اسے مشینوں سے زیادہ دلچسپی تھی اس لئے اس نے میکینیکل انجینئر بننے کا ارادہ کرلیا۔ انٹر سائنس حسب عادت فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور انجینئرنگ کالج میں داخلہ کی کوشش کی۔ ظاہر تھا کہ ہمارے پاس سفارشی ذرائع بالکل نہیں تھے۔ ابا تو کالج جاکر کسی سے بات کرنے کے اہل بھی نہیں تھے۔ اقبال کو اپنے داخلے کے لئے خود ہی دوڑ دھوپ کرنا پڑی اور اس کے پاس واحد ذریعہ اس کا بہترین تعلیمی ریکارڈ تھا۔ مگر نہ معلوم کیا دشواری پیش آئی کہ اپنے پسندیدہ شعبہ میں داخلہ نہیں مل سکا۔ کالج کے ایک

پروفیسر نے اسے سول انجینئرنگ میں جانے کا مشورہ دیا اور اقبال نے مایوسی کے عالم میں اسی کو قبول کرلیا۔ اور میرا اپنا خیال ہے کہ اس اتفاقی فیصلہ نے اقبال کی زندگی اور اس کے مستقبل پر بڑے دور رس اثرات مرتب کئے۔ داخلے لینے کے پہلے سال ہی اس کی تمام مایوسی ختم ہوگئی۔ پتہ نہیں کسی نے اسے کیا سمجھا دیا تھا کہ وہ بڑا مطمئن اور خوش نظر آتا تھا کبھی کبھی موڈ میں ہوتا تو مجھ سے کہتا آپا اچھا ہی ہوا کہ مجھے میڈیکل میں داخلہ نہیں مل سکا۔ وہاں برق رفتار ترقی کے امکانات بہت کم تھے اور محنت بہت زیادہ تھی۔ اس کے برعکس اگر جو کچھ میں سوچ رہا ہوں تقدیر کی خوبی سے پورا ہوگیا تو آپ دیکھیں گی کہ آپ کا بھائی کالج سے نکل کر دو تین سال کے اندر ہی کہاں سے کہاں پہنچ جائے گا۔

اس زمانے کے واقعات میں دو خاص چیزیں اور بھی تھیں۔ بہتر ہوگا کہ میں ان کا ذکر بھی ساتھ ہی ساتھ کرتی چلوں۔ پہلی بات تو یہ ابا کی ایک بہن تھیں، کنیز فاطمہ۔ ان کی شادی اتفاق سے ایک غریب مگر پڑھے لکھے خاندان میں ہوگئی تھی۔ ان کے شوہر احمد حسین کسی سرکاری محکمہ میں کلرک تھے۔ خدا نے انہیں دو بیٹے اور تین بیٹیاں دی تھیں۔ ان کے گھر کا ماحول ہم سے قدرے مختلف اور بہتر تھا۔ مالی اعتبار سے بھی وہ ہم سے بہتر حالات میں تھے اقبال نے جب میٹرک فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا تو ابا نے جو فاطمہ پھوپھی سے بہت محبت کرتے تھے ان سے بات کی کہا کہ ان کی بڑی خواہش ہے کہ بہن کی کسی بیٹی کو اپنی بہو بنائیں۔ عام حالات میں شاید وہ یہ خواہش زبان پہ نہ لاتے لیکن اب جب کہ اقبال نے میٹرک پاس کرلیا ہے۔ اور اس کا مزید آگے پڑھنے کا ارادہ ہے وہ چاہتے ہیں کہ پھوپھی اپنی چھوٹی بیٹی یاسمین کو انہیں دے دیں۔ اقبال کو خاندان میں سب ہی لوگ پسند کرتے تھے۔ سب کو پتہ تھا کہ وہ ایک ہونہار نوجوان ہے اور اس کے مستقبل سے اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ پھوپھی نے احمد پھوپھا سے مشورہ کیا اور یہ پیام بڑی خوشی کے ساتھ قبول کرلیا گیا۔ اس وقت تک ان کی بڑی بیٹی کی شادی ہوچکی تھی منجھلی کی بات بھی ایک جگہ چل رہی تھی۔ دونوں جانب سے کسی کو شادی کی عجلت نہ تھی اس لئے طے کیا گیا کہ ابھی منگنی کرلی جائے پھر دو چار سال جب خدا کے فضل وکرم سے اقبال کھانے کمانے کے قابل ہوجائے گا تو شادی کردی جائے گی۔ اقبال نے منگنی پر دبے الفاظ میں احتجاج کیا کہ ابھی وہ کسی پابندی کو قبول کرنا نہیں چاہتا مگر ابا اور اماں کے اصرار سے خاموش ہوگیا۔ اور یوں اس کی منگنی یاسمین کے ساتھ کردی گئی۔

دوسری اس سے زیادہ اہم خاص بات جس نے آئندہ چل کر ہماری زندگیوں اور حالات کو سب سے زیادہ متاثر کیا یہ تھی کہ پڑوس میں ہمارے مکان کے بالکل پیچھے دیوار سے دیوار ملی ہوئی ایک چھوٹا سا گھر تھا جس میں ہماری طرح ایک غریب اور مختصر خاندان رہتا تھا۔ ایک میاں بیوی اور چار بچے۔ باپ کا نام جہاں تک مجھے یاد آتا ہے۔ خیر دین تھا اور وہ راج کا کام کرتا تھا۔ پڑوس میں ہونے کے باوجود اس کنبہ سے ہمارے زیادہ تعلقات نہیں تھے جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ خیر دین کو شراب پینے کی عادت تھی اور وہ اکثر شراب کے نشہ میں اپنے بیوی بچوں کو مارا پیٹا کرتا تھا۔ ابا نے ہم لوگوں کو سختی سے منع کیا ہوا تھا کہ کبھی اس کے گھر نہ جائیں۔ خیر دین کی بیوی بڑی نیک اور وفا شعار عورت تھی شوہر کی مار پیٹ کے باوجود وہ کسی نہ کسی طرح گذارہ کئے جارہی تھی کبھی کبھی وہ ہمارے گھر آکر اپنا دکھڑا سناتی تھی تو اس کی باتیں سن کر ہمیں افسوس ہوتا تھا کہ تقدیر نے اس کا واسطہ کیسے بے رحم اور سنگدل آدمی سے ڈال دیا ہے۔ اس کے بچوں میں تین لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ دو لڑکیاں مجھ سے بڑی تھیں۔ ایک تقریباً ہم عمر تھی اور لڑکا چراغ دین اقبال کے برابر تھا۔ وقت گذرتا گیا۔ چراغ دین نے ہوش سنبھالا تو خیر دین کا انتقال ہوگیا۔ چراغ دین کو چھوٹی ہی عمر سے ماں اور بہنوں کا بوجھ اٹھانا پڑا۔ مگر لڑکا بہت شریف اور محنتی تھا۔ اپنے باپ کے بالکل برعکس اس نے بڑی تن دہی اور جانفشانی سے اپنا فرض ادا کیا۔ تینوں بہنوں کی شادیاں کرکے انہیں رخصت کیا۔ پھر ماں نے بڑے ارمانوں سے اپنے بیٹے کی شادی رچائی اور بہو بھی نصیب سے ایسی ملی جو ہزاروں میں نہیں تو سینکڑوں میں لاجواب تھی۔ اس کا نام زبیدہ تھا وہ بڑی ہی خوبصورت، سگھڑ اور خوش اخلاق لڑکی تھی۔ کچھ پڑھی لکھی بھی تھی جن دنوں چراغ دین کی شادی ہوئی اقبال کا انجینئرنگ کالج میں دوسرا سال تھا۔ اب ان کے گھر کے حالات بھی سدھر گئے تھے۔

حالات اس موڑ پر تھے کہ اقبال نے نمایاں کامیابی سے سول انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کرلی اور پھر کچھ ہی دن کے بعد اسے میونسپل کارپوریشن میں ماتحت انجینئر کی ملامت مل گئی یہ ملازمت ہمارے لئے بڑی انقلاب انگیز ثابت ہوئی۔ تنخواہ تو اس کی پانچ چھ سو ہی تھی مگر یوں لگتا تھا کہ اقبال کو نوکری نہیں ملی ہے کوئی جادوئی چراغ ہاتھ آگیا ہے۔ دو برس کی مختصر مدت میں گھر کی کایا پلٹ گئی۔ پہلی تنخواہ ہاتھ میں آتے ہی اس نے ابا سے کہدیا تھا کہ اب وہ اپنا کام چھوڑ کر گھر پر آرام کریں۔ اور اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ بوڑھے باپ کو محنت کرتے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ ممکن ہے یہ سبب بھی ہو۔ لیکن اس نے جو دلیل دی تھی۔ وہ یہ تھی کہ ایک انجینئر کے باپ کو بڑھئی کا کام کرنا زیب نہیں دیتا۔ ابا نے بڑی خاموشی سے اقبال کی بات مان لی۔ گھر میں ان کی شخصیت پس منظر میں چلی گئی۔ اور اقبال نے بڑی شان سے ان کی جگہ سنبھال لی۔ اب گھر میں ہر کام اور ہر بات اس کی مرضی اور اس کی خوشی مدنظر رکھتے ہوئے انجام پاتی تھی۔

پھر جیسا کہ میں نے بتایا گھر کی کایا پلٹ ہوتی چلی گئی۔ لباس بدلا۔ برتن تبدیل ہوئے۔ پرانے فرنیچر کی جگہ نئے فرنیچر نے لے لی۔ صوفہ سیٹ آگیا۔ مکان کے در و دیوار پر نیا رنگ وروغن کیا گیا۔ مجھے اکثر حیرت ہوتی تھی کہ پانچ چھ سو میں یہ سب کچھ کیسے ہورہا ہے۔ میں نے بارہا اقبال سے پوچھا بھی مگر اس نے ہر مرتبہ ہنس کر بات ٹال دی۔ یا کبھی میرے بہت زیادہ پیچھے پڑنے پر کچھ کہا بھی تو صرف اتنا کہ آپا آپ کو آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے، اب ہمارا مفلسی اور تنگ دستی کا زمانہ گذر چکا ہے عیش وآرام کا دور آگیا ہے۔ ہم پر اللہ کا فضل ہے۔ شبہ ابا کو بھی تھا۔ اور سمجھ بھی گئے تھے کہ یہ ساری رونقیں بالائی آمدنی کی ہیں مگر نچلے طبقے میں عموماً دین اور اخلاقیات کا شعور اتنا پختہ نہیں ہوتا کہ وہ اسی بالائی آمدنی میں کچھ زیادہ قباحت محسوس کرے۔

کچھ ہی دن گذرے تھے کہ اقبال کو اپنا گھر چھوٹا اور تنگ محسوس ہونے لگا۔ گھر کو دوبارہ تعمیر کرنے کے منصوبے زیر گفتگو آنے لگے مکان کا محل وقوع کچھ ایسا تھا اگر ہمیں اپنا گھر کچھ بڑا کرنا تھا تو اس کی صورت صرف یہ تھی کہ چراغ دین کے مکان کی زمین ہمیں مل جائے۔ اس دوران جب کہ ہمارے گھر پر اللہ کا فضل برس رہا تھا چراغ دین کا گھر ظلمتوں کا گہوارہ بن گیا تھا۔ ایک برس پہلے وہ بیچارہ ایک زیر تعمیر مکان کی بیرونی دیوار پر پلاسٹر کرتے ہوئے پاڑھ سے گر کر انتقال کرگیا تھا۔ اور زبیدہ اپنے تین بچوں کے ساتھ جن میں سب سے چھوٹے کی عمر صرف تین ماہ تھی اس بھری دنیا میں بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ اس کی ساس سوتیلی تھی اور شاید اس وجہ سے اس کی شادی چراغ دین سے ممکن ہوسکی باپ مدت پہلے مرگیا تھا۔ سوتیلے بہن بھائی تھے مگر انہیں بہن کی کوئی فکر نہ تھی اس کی شادی کرکے گویا اپنے سر سے بوجھ اتار کر وہ سب مطمئن ہوگئے تھے۔ چراغ دین کے مرنے کے بعد بھی انہوں نے پلٹ کر نہ پوچھا کہ بہن کس حال میں ہے۔ چنانچہ زبیدہ محلہ کے خوش حال گھرانوں میں محنت مزدوری کرکے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال رہی تھی اقبال نے جب مکان کو دوبارہ تعمیر کرانے کا فیصلہ کرلیا تو یہ فرض میرے سپرد ہوا کہ میں زبیدہ سے مل کر مکان فروخت کرنے پر آمادہ کروں۔ یہاں ضمناً میں ایک اور بات بھی بتاتی چلوں تو اچھا ہے۔ میں کہہ چکی ہوں کہ میں اقبال سے چار برس بڑی تھی۔ اس وقت میری لئے ایک دو رشتہ آئے تھے۔ مگر ابا نے انکار کردیا تھا۔ اس انکار کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اپنی تنگدستی کے باعث ابا اور اماں اس وقت تک میرے لئے کسی قسم کی کوئی تیاری نہیں کرسکے تھے۔ ابا کی آمدنی بہ مشکل اتنی تھی کہ ہم سب کا پیٹ بھر سکے۔ اس میں اتنی گنجائش کبھی پیدا نہ ہوسکی کہ اماں کچھ رقم پس انداز کرکے میرے لئے کچھ کپڑے یا زیور ہی تیار کرسکتیں۔ چنانچہ میری شادی کے لئے ابا کے سامنے سب سے پہلے یہ سوال آتا تھا کہ وہ بیٹی کو رخصت کرنے کے لئے چار پانچ ہزار کی رقم..... کہاں سے لائیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ دوسروں سے تو یہ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اس لئے ابا نے ایک آسان جواب یہ سوچ لیا تھا کہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے انہیں میری شادی کی اتنی جلدی نہیں ہے۔ دو چار برس ٹھہر کر کریں گے۔

ہاں تو ذکر ہورہا تھا مکان بننے کا۔ اقبال نے ایک دن بہ سبیل تذکرہ یہ بات کہی تھی کہ وہ مکان کو اپنی مرضی کے مطابق ذرا شاندار طریقہ سے بنوالے تو پھر میری شادی کی فکر بھی کرے گا۔ اگرچہ دل میں اب بھی

شادی کا کوئی خاص ارمان نہیں تھا مگر اب اپنی بڑھتی ہوئی عمر سے ڈر لگنے لگا تھا۔ سوچتی تھی کہ ساری عمر تو بھائی پر بوجھ نہیں بن سکتی۔ اگر یہ کام ابھی نہ ہوا تو اگلے دو چار برسوں میں اور زیادہ مشکل ہو جائے گا۔ اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ دولت اور صورت کے باوجود لوگ زیادہ عمر دیکھ کر قبول نہ کریں۔ چنانچہ جب اقبال نے زبیدہ سے بات کرنے کے لئے کہا تو میں نے نہ صرف اسی خدشے کے پیش نظر اس سے ملنے میں جلدی کی بلکہ اپنی طرف سے یہ ارادہ بھی کرلیا کہ اسے مکان فروخت کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے پوری کوشش کروں گی۔

میں نے زبیدہ کو بلایا تو فوراً ہی آ گئی۔ چراغ دین کے انتقال سے پہلے وہ اکثر ہمارے گھر آتی جاتی رہتی تھی مگر شوہر کے مرنے کے بعد چونکہ اس پر دوہری ذمہ داری آپڑی تھی اس لئے کچھ مدت سے اس کا آنا جانا بہت کم ہو گیا تھا۔ اب جو میں نے اسے دیکھا تو حیرت زدہ سی رہ گئی وہ مجھ سے عمر میں کم وبیش چھ برس چھوٹی تھی گویا اس کی عمر مشکل سے بیس اکیس برس کی ہوگی۔ اس کا سرخ وسفید رنگ زرد پڑ گیا تھا چہرے کی چمک ماند ہونے لگی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے نمودار ہو چکے تھے۔ بھرا ہوا جسم گھل کر آدھا رہ گیا۔ مگر اس کے باوجود اپنے ملگجے سفید کپڑوں میں سادگی اور معصومیت کا ایک ایسا پیکر نظر آ رہی تھی جسے دیکھ کر دل میں آپ سے آپ اس کے لئے محبت وہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے میں نے تعجب سے پوچھا کہ اس نے اپنا یہ کیا حال بنا رکھا ہے..... ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اس کا جو کچھ جواب دیا اسے سن کر مجھے پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ عورت اگر اپنے سہاروں سے محروم ہو کر دنیا میں اکیلی رہ جائے تو اس کی زندگی کتنی دشوار اور کٹھن بن جاتی ہے۔ اس نے بتایا کہ اول تو چراغ دین کے بعد اس کے دل میں جینے کی کوئی امنگ نہیں رہی ہے۔ اس لئے خود بھی اپنی وہ فکر نہیں رکھتی۔ جو شوہر کی زندگی میں رکھا کرتی تھی لیکن اس کی دوسری اہم وجہ وہ ماحول ہے جو اس وقت ہمارے معاشرے میں عام طور سے پایا جاتا ہے۔ اسے اپنا اور بچوں کا پیٹ بھرنے اور تن ڈھانپنے کے لئے گھروں میں کام کرنا پڑتا ہے جہاں اس کا واسطہ مختلف قسم کے مردوں سے پڑتا ہے پھر گھر سے باہر نکل کر راستے میں آتے جاتے بھی مردوں کی نظروں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ یہ مرد بظاہر اس سے ہمدردی جتاتے ہیں۔ اس کی مدد کرنے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔ مگر ان میں سے بیشتر کے دلوں میں صرف ایک ہی غرض پوشیدہ ہوتی ہے۔ ایک مجبور و بے سہارا عورت کے حسن وجوانی سے فائدہ اٹھانا۔ قدرت نے جو دولت اسے اتنی فیاضی کے ساتھ دی ہے۔ ایک عذاب ایک مصیبت بن گئی ہے۔ گھروں میں خواتین بھی اسے ملازم رکھتے ہوئے گھبراتی ہیں کہ کہیں ان کے مرد بے راہ نہ ہو جائیں۔ اس لئے تنگ آ کر اس نے اپنی یہ دولت تباہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اب وہ کوئی بناؤ سنگھار نہیں کرتی۔ سفید کپڑوں کے علاوہ (جو اکثر ملگجے ہوتے ہیں) کوئی لباس نہیں پہنتی۔ آدھا پیٹ کھانا کھاتی ہے۔ راتوں کو دیر تک جاگتی ہے۔ غرض اپنی صورت اور اپنا حلیہ بگاڑنے کی ہر وہ کوشش کرتی ہے۔ جو اس کی سمجھ میں آتی ہے۔ صرف اس لئے کہ مردوں کی پرہوس نگاہوں سے محفوظ رہ کر عزت آبرو کے ساتھ اپنے بچوں کی پرورش کر سکے۔

زبیدہ کی باتیں سن کر مجھے بہت دکھ ہوا اور اس سے ایک گونہ ہمدردی پیدا ہو گئی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ ابھی بالکل نوجوان ہے۔ اس کے سامنے پہاڑ جیسی زندگی ہے۔ جسے تنہا گذارنا اس کے لئے انتہائی مشکل ہوگا۔ پھر چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے۔ وہ دوسری شادی کرنے کے بارے میں کیوں نہیں سوچتی۔ اس نے جواب دیا کہ اول تو اسے دوسری شادی کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ نہ ہی اس نے کبھی اس مسئلہ پر سوچا ہے لیکن بالفرض وہ اس کا ارادہ کر بھی لے تو کون مرد ہوگا جو پورے خلوص وہمدردی سے اسے اور اس کے بچوں کو اپنانے کی کوشش کرے گا۔ شادی کرنے کے خواہش مند بہت مل جائیں گے مگر ان میں اکثر کا مقصد صرف اسے حاصل کرنا ہوگا۔ کوئی اس کے بچوں کو وہ محبت اور شفقت نہ دے سکے گا جس کی انہیں ضرورت ہے۔

میں نے اس سے کہا کہ اگر وہ دوسری شادی کرنا نہیں چاہتی تو پھر اس کی پریشانیوں کا ایک اور حل بھی ممکن ہو سکتا ہے وہ تھوڑی بہت پڑھی لکھی بھی ہے۔ سینا پرونا بھی اچھا خاصا جانتی ہے۔ گھر گھر جا کر برتن مانجھنے جھاڑو پُچارا کرنے سے تو کہیں بہتر یہ ہوگا کہ وہ کپڑے سینے کی ایک مشین خرید لے اور مناسب اجرت پہ لوگوں کے کپڑے سیا کرے۔ زبیدہ نے کہا کہ وہ خود بھی گھر

بیٹھ کر کوئی کام کرنا زیادہ پسند کرے گی۔ مگر سلائی کی مشین مفت نہیں ملتی۔ اس کے لئے تین چار سو روپیہ چاہئے۔ پھر اس کے علاوہ مزید اتنا خرچ بھی درکار ہوگا کہ جب تک سلائی کی آمدنی خود کفالت کی منزل کو پہنچے وہ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرتی رہے تن ڈھانپتی رہے۔ اور اتنا سرمایہ وہ کہاں سے لائے گی۔ اس وقت میں نے اس کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ اپنا مکان فروخت کردے خود بچوں کے ساتھ کسی چھوٹے سے کرائے کے مکان میں رہنے لگے۔ اس طرح اسے آٹھ دس ہزار روپیہ مل جائے گا۔ جس سے وہ صرف سلائی کی بلکہ سوئٹر بننے کی مشین بھی خرید سکتی ہے اور اتنا روپیہ بچ بھی جائے گا کہ سلائی بنائی کا کام جمنے تک اس کے کام آتا رہے۔ خدا نے اس کی کمائی میں برکت دی تو وہ بعد میں بھی کوئی مکان خرید سکتی ہے۔

زبیدہ نے میری تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ ابھی تو اس کے پاس سر چھپانے کا اپنا ٹھکانا ہے۔ جہاں وہ اپنے بچوں کے ساتھ چٹنی روٹی کھا کر بھی آرام سے رہ سکتی ہے۔ اور اسے یہ فکر نہ ہوگی کہ مکان کا کرایہ ادا نہ کیا گیا تو مالک مکان اسے اور اس کے بچوں کو باہر نکال دے گا۔

شام کو جب اقبال دفتر سے آیا تو میں نے اسے زبیدہ سے گفتگو کے بارے میں بتایا۔ معلوم نہیں کیا بات تھی کہ وہ سن کر ایک دم غصہ میں آ گیا۔ حالانکہ میں نے پوری کوشش کی تھی کہ زبیدہ کے انکار کو اس انداز میں بیان کروں جس سے اس کی مجبوری کا تأثر اجاگر ہوتا ہو لیکن یا تو وہ دفتر سے ہی کچھ چڑچڑا موڈ لے کر آیا تھا یا پھر اسے یہ توقع نہیں تھی کہ زبیدہ اس کی فیاضانہ پیشکش کو یوں ٹھکرا دے گی۔ وہ تلملا گیا۔ بولا پتہ نہیں یہ اَن پڑھ جاہل ادنیٰ طبقہ کے لوگ اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں۔ میں تو اس کے ٹوٹے پھوٹے مکان کی اتنی قیمت دے کر ایک طرح سے اس کے ساتھ احسان کر رہا تھا۔ مجھے وہ مکان ہر قیمت پر حاصل کرنا ہے۔ اگر وہ سیدھی طرح نہیں دے گی تو مجھے انگلیوں کو نیڑھا کرنا بھی آتا ہے۔ میں نے اقبال کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہمارے لئے اسی مکان کو بنوانا ضروری نہیں ہے۔ اگر اسے فروخت کر کے کسی دوسرے اچھے علاقہ میں کوئی پلاٹ خرید کر مکان بنوالیں تب بھی کوئی نقصان نہیں ہے۔ مگر شاید اقبال نے زبیدہ کے انکار کو اپنی ذاتی توہین خیال کیا تھا یا یہ کہ اب اسے اس مکان پر قبضہ کرنے کی ضد سوار ہو گئی۔ اس نے بڑے دعوے کے ساتھ کہا۔ ”آپا مزہ تو جب ہے کہ اب خود زبیدہ ہاتھ جوڑتی ہوئی میرے پاس آئے کہ میں خدا کے لئے اس کا مکان خرید لوں۔“

اس بات کو یہ مشکل ایک ماہ گذرا ہوگا کہ ہمارے گھر کی پچھلی گلی۔ یعنی وہ گلی جس طرف چراغ دین کا مکان واقع تھا۔ کھدنا شروع ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ گلی پختہ بنائی جائے گی گلی میں بہت سے لوگوں نے اپنے مکانات کے آگے چبوترے وغیرہ بنوا رکھے تھے۔ ان سب کو توڑ دیا گیا کہ ناجائز تجاوزات ہیں گلی کی زمین ہے جسے ناجائز طور پر مکانات میں شامل کرلیا گیا ہے۔ پھر ایک دن میونسپل کارپوریشن کا عملہ ایک پولیس انسپکٹر اور دو کانسٹبلوں کے ساتھ زبیدہ کے گھر آیا کہ اس کا مکان نصف سے زیادہ گلی کی زمین پر بنا ہوا ہے اس لئے اسے گرانے کا حکم ملا ہے محلے میں سب ہی جانتے تھے کہ اقبال میونسپل کارپوریشن میں ملازم ہے۔ ناجائز تجاوزات توڑے جا رہے تھے تب بھی لوگ اس کے پاس آئے تھے مگر اقبال نے صاف کہہ دیا کہ وہ اس معاملہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ غلطی لوگوں کی ہے جنہوں نے ناجائز طریقہ سے زمین پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اب زبیدہ نے کارپوریشن کے مزدوروں کو ہاتھ میں کدالیں اور بیلچے لئے اپنی جائے پناہ کے در پہ دیکھا تو وہ بھی بھاگی ہوئی اقبال کے پاس آئی۔ اقبال نے بظاہر بڑی ہمدردی سے اس کی بات سنی۔ مشورہ دیا کہ وہ ایک درخواست لکھ کر اسے دیدے۔ وہ دیکھے گا کہ اس معاملہ میں کیا کیا جا سکتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اسے دوٹوک الفاظ میں یہ بھی بتا دیا کہ اگر ماسٹر پلان کے نقشہ کے مطابق اس کا مکان واقعی گلی کی زمین پر بنا ہوا ہوگا تو وہ بھی کچھ نہیں کر سکے گا لیکن درخواست دینا اور اس پر کارروائی ہونا کوئی ایک دو دن کی بات تو نہ تھی اس کے لئے کچھ وقت چاہئے تھا جب کہ وہاں انسپکٹر اور مزدور مکان گرانے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ زبیدہ کی منت خوشامد اور میری سفارش پر اقبال انسپکٹر سے بات کرنے لگا۔ واپس آ کر اس نے بتایا کہ اتفاق سے انسپکٹر اس کا دوست نکلا۔ اس کا نام کلیم احمد ہے اور وہ ایک زمانے میں اس کے ساتھ اسکول میں پڑھ چکا ہے چنانچہ اس نے بہت کچھ کہہ سن کر انسپکٹر کو واپس کر دیا ہے اور اب جب تک اس معاملہ کی پوری تحقیقات نہ ہو جائے وہ زبیدہ کو پریشان نہیں کرے گا۔ زبیدہ آنسو پونچھ

کر شکریہ ادا کرتے ہوئی لوٹ گئی۔

ایک دن کوئی انجینئر صاحب علاقہ کا نقشہ لے کر آ گئے اور انہوں نے زبیدہ کے مکان کا محل وقوع ملاحظہ کیا تو چونک پڑے کہ بی بی یہ تو پورا کا پورا مکان ہی بلدیہ کی زمین پر بنا ہوا ہے۔ زبیدہ کے پیروں کے نیچے سے زمین سرک گئی۔ وہ آدھے گھر کو بچانے دوڑی تھی یہاں سب جا رہا تھا۔ وہ پھر بھاگی ہوئی اقبال کے پاس آئی۔ سارا حال بتایا۔ اقبال نے سنتے ہی معذرت کر لی کہ اس نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر نقشے میں کسی غلطی کی وجہ سے مکان گرایا جا رہا ہے تب تو وہ بچا سکتا ہے لیکن اب جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ مکان کی تعمیر ہی ناجائز طور پر کی گئی تھی تو وہ کچھ نہیں کر سکتا۔

زبیدہ بے بس تھی۔ بے سہارا تھی۔ دفتروں کے چکر نہیں لگا سکتی تھی۔ سفارشیں نہیں لا سکتی تھی۔ وہ مجبور ہو گئی۔ روتی ہوئی میرے پاس آئی کہ مکان اگر ہاتھ سے جانا ہی ہے تو وہ کیا کرے مجھے اس پر بیحد ترس آ رہا تھا۔ یقین سے تو نہیں کہہ سکتی تھی مگر شبہ تھا کہ اس شرارت میں اقبال سے بات کی۔ اس نے مجھے بھی وہ ہی جواب دیا جو زبیدہ کو دیا تھا۔ مزید یہ بھی کہا کہ ان حالات میں اس کے لئے بہتر راہ عمل یہ ہے کہ مکان جتنے میں بھی بک سکتا ہو فروخت کر دے اور یہ کہ اگر وہ اب بھی فروخت کرنے پر آمادہ ہو تو اقبال اسے دس ہزار نقد دے سکتا ہے۔ وہ غریب چار و ناچار مکان اقبال کے ہاتھ بیچنے پر آمادہ ہو گئی۔ تین چار دن کے اندر اندر ساری قانونی کاغذی کارروائی مکمل ہو گئی۔ جانے سے قبل زبیدہ مجھ سے ملنے آئی۔ وہ بہت اداس اور دل گرفتہ تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اب وہ کہاں جائے گی۔ اس کا جواب خود اسے نہیں معلوم تھا۔ کہنے لگی کہ جہاں تقدیر لے جائے گی چلی جاؤں گی اور پھر دوسرے دن وہ اپنی تین بچیوں اور مختصر سے سامان کے ساتھ مکان چھوڑ گئی۔ اس کے بعد ہمیں ایک مدت تک اس کا پتہ نہیں چلا۔

اقبال نے اپنی ضد پوری کر لی۔ زبیدہ کا مکان اسے مل گیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ مکان فروخت ہوتے ہی پولیس انسپکٹر اور انجینئر وغیرہ سب غائب ہو گئے۔ گلی پختہ ضرور بن گئی۔ مگر مکان کی ایک انچ زمین بھی اس میں شامل نہ ہوئی۔ دوسری طرف اقبال نے مکان گرا کر تعمیر شروع کرا دی پانچ چھ مہینے کے اندر اندر ہمارے گھر کا حلیہ ہی بدل گیا۔ چھوٹے سے ایک منزلہ ٹین کی چھت والے گھر کی جگہ دو منزلہ وسیع و کشادہ عمارت عالم وجود میں آ گئی۔ زبیدہ کے مکان کی زمین میں دو کمرے اٹیچ باتھ روم کے ساتھ تعمیر ہو کر ہمارے گھر میں شامل ہو گئے ان دونوں کمروں کو بیڈروم بنا دیا گیا۔ ان میں سے ایک اقبال نے خود اپنے لئے رکھا اور دوسرا ابا اور اماں کو دیدیا۔ مکان کے ساتھ ہی اب ہمارا حلیہ بھی بدل گیا تھا۔ معمولی اور پرانی طرز کے کپڑوں کی جگہ بیش قیمت ملبوسات ساڑھیوں نے لے لی تھی۔ جہاں کبھی مہندی اور ابٹن بھی شاذ و نادر ہی آتا تھا وہاں اب سنگھار میز پر ہر قسم کا میک اپ کا سامان موجود تھا۔ ہر قسم کا فرنیچر میزیں کرسیاں صوفہ سیٹ، دروازوں کھڑکیوں کے لئے خوشنما پردے چارپائی کی جگہ گدے دار پلنگ۔ ٹین کے بکسوں کی جگہ لوہے کی الماریاں غرض ہماری کایا پلٹ گئی تھی۔

اقبال نے سچ کہا تھا۔ نیا گھر مکمل ہوتے ہی میرے لئے ایک بار پھر پیام آنے لگے حالانکہ اس وقت میری عمر تقریباً ستائیس اٹھائیس سال ہو چکی تھی۔ اور میں کچھ زیادہ پڑھی لکھی بھی نہ تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں نے گھر پر میٹرک تک کا کورس مکمل کر لیا تھا۔ ابا اور اماں بہت خوش تھے۔ اور کیوں نہ ہوتے ان کے بیٹے نے ان کے تمام خوابوں کو حقیقت بنا دیا تھا۔ ابا اکثر کہتے تھے کہ اپنی زندگی میں سب سے مبارک ترین فیصلہ انہوں نے اس وقت کیا تھا جب اقبال کی پیدائش پہ اس کا نام محمد اقبال رکھا تھا۔ اقبال واقعی ان کے لئے عیش و راحت اور بلند اقبالی کا پیام بن کر آیا تھا۔

میرے لئے کئی اچھے رشتے آئے ہوئے تھے۔ ان میں اقبال کے پولیس انسپکٹر دوست کلیم احمد کا رشتہ بھی تھا۔ مجھے اپنی شادی سے ان معنوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی کہ میرے لئے کس کو انتخاب کیا جاتا ہے اور کس کو نہیں کیونکہ میں جانتی تھی کہ اب معاملات کی باگ ڈور ابا اور اماں کے ہاتھوں میں نہیں اقبال کے قبضہ میں ہے۔ اور صحیح یا غلط مجھے یقین تھا کہ اقبال مجھے سب سے زیادہ بہتر طور پر سمجھتا ہے۔ اور وہ کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرے گا جو اسے میری طبیعت اور میرے مزاج کے منافی محسوس ہوگا۔ اس لئے مجھے کچھ تعجب سا ہوا جب دوسرے کئی اچھے رشتوں کے مقابلہ میں کلیم احمد کے پیغام کو ترجیح دی گئی۔

میں نے کلیم سے ایک گونہ ناپسندیدگی کے باوجود کوئی احتجاج نہیں کیا اور یوں دوسرے ماہ میری شادی کلیم سے کر دی گئی۔ شادی کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرے اور کلیم کے مزاج اور طبیعت میں خاصا تضاد ہے۔ تقریباً وہ ہی تضاد جو اقبال کے اور میرے درمیان تضاد تھا۔ مگر میں حالات سے سمجھوتہ کرنے کی عادی تھی۔ بچپن سے جوانی تک۔ ہماری زندگی ہر طرح کے نشیب و فراز سے گذری تھی۔ اور میں نے ہر حال میں خوش رہنے کی شعوری کوشش کی تھی۔ اقبال کی بہت سی باتیں بہت سی عادتیں مجھے ناپسند بلکہ شاید ناگوار تھیں۔ مگر بھائی کی محبت میں انہیں گوارا کر لیا۔ اسی طرح کلیم صاحب سے کئی باتوں پہ اختلاف تھا مگر میں نے پوری کوشش کی کہ شوہر کی محبت دل میں پیدا کرنے اور خود ان کی محبت کو حاصل کرنے کے لئے حالات سے سمجھوتہ کر لوں۔ ویسے عادتاً اور مزاجاً کلیم صاحب اتنے برے بھی نہ تھے کہ ان کے ساتھ گذر اوقات مشکل ہو جاتی۔ بس ایک گوارا قسم کی شادی تھی اسی انداز میں شروع ہوئی تھی اور کم و بیش اسی حالات میں اپنے انجام تک چلتی رہی۔

میری شادی سے فارغ ہو کر ابا اور اماں کو قدرتی طور پر اقبال کی شادی کی فکر ہوئی۔ پھوپھا دونوں بیٹوں کی شادی ریٹائر ہونے سے پہلے ہی کر چکے تھے۔ پنشن کے ساتھ بہوئیں بھی گھر میں آ گئیں تھیں۔ مگر مشترکہ خاندان کا اصول زیادہ دن تک نہ چل سکا پہلے چھوٹا بیٹا اپنی بیوی کو لے کر الگ ہو گیا۔ پھر بڑے نے بھی یہی راہ اختیار کی فاطمہ پھوپھی کو اس بات کا اتنا صدمہ ہوا کہ وہ تین چار ماہ بیمار رہ کر سدھار گئیں۔ اب گھر میں پھوپھا احمد حسین اور یاسمین رہ گئے۔ پھوپھا نے کئی مرتبہ دبی زبان سے ابا اور اماں سے کہا کہ وہ اپنی امانت لے جائیں۔ مگر ابا نے انہیں یہی جواب دیا کہ ابھی اقبال اپنا گھر بنانے اور بہن کا گھر بسانے کی فکر میں لگا ہوا ہے اس سے فارغ ہو کر ہی وہ اپنے بارے میں سوچے گا۔ پھوپھا خاموش ہو کر انتظار کرنے لگے۔

مگر میں جانتی تھی اور اماں کو بھی کچھ شبہ تھا کہ اقبال کی سوچ بہت کچھ بدل چکی ہے۔ وہ شاید ہی نوعمری کے کئے ہوئے اس رشتے کی لاج رکھے۔ کوئی ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر تھے اعجاز حسین صاحب، انہوں نے سوسائٹی کے علاقہ میں اپنا ایک بنگلہ تعمیر کرایا تھا۔ مگر بنگلے کا جو نقشہ انہوں نے کارپوریشن سے منظور کرایا تھا تعمیر اس کے مطابق نہیں کی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں نوٹس جاری کر دیا گیا کہ غلط تعمیر اور بالکنیوں کو بے تحاشہ بڑا کرنے کے سلسلہ میں کیوں نہ ان کے بنگلہ کا قانونی حد میں آنے والا حصہ منہدم کر دیا جائے اعجاز صاحب نے پہلے اپنے اثر و رسوخ سے کام نکالنے کی کوشش کی مگر جب ان کے بنگلہ کی متعلقہ فائل اور فائل کے اندر سے متعلقہ کاغذات مس پلیس ہونے لگے تو کارپوریشن کے چکر لگانے اور راہ میں حائل عملہ کی خوشامد درآمد کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس سلسلہ میں ان کی ملاقات اقبال سے ہوئی۔ لڑکے کو ذہین و چالاک اور مطلب برآری کے لئے کارآمد پا کر انہوں نے روابط کو مزید بڑھایا اور اس کی دعوت کر ڈالی۔ بڑے آدمیوں کے گھرانے اس وقت بھی خاصے ماڈرن اور ترقی پسند ہو چکے تھے۔ دعوت میں اقبال کی ملاقات ڈپٹی صاحب کی چھوٹی بیٹی شاہدہ سے ہوئی جس نے اسی سال بی اے فائنل کا امتحان دیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے میں دلچسپی لینے لگے۔

اقبال کی کوشش کی وجہ سے اعجاز صاحب کا مسئلہ بخیر و خوبی نپٹ گیا۔ ڈپٹی صاحب کی تجربہ کار نظروں نے پہچان لیا تھا کہ اقبال ایسی صلاحیتوں کا مالک ہے کہ اس کے مستقبل سے بڑی روشن امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

میری شادی کے بعد احمد پھوپھا دو تین ماہ تک تو یہ انتظار کرتے رہے کہ شاید ابا خود بات چھیڑیں۔ مگر ہماری طرف سے مکمل خاموشی دیکھ کر انہیں مجبوراً ایک بار پھر زبان کھولنا پڑی۔ اماں کو خود بھی احساس تھا۔ پھر ابا بھی دل سے یہی چاہتے تھے کہ مرحوم بہن کی نشانی کسی دوسرے گھر میں نہ جائے۔ دونوں نے وعدہ کر لیا کہ وہ اقبال سے بات کر کے جلد کوئی تاریخ مقرر کر دیں گے۔ مگر وہاں تو دوسری ہی کہانی شروع ہو چکی تھی۔ اقبال نے صاف کہہ دیا کہ وہ یاسمین سے شادی نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا کہ احمد پھوپھا سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کہیں اور کر دیں۔ اماں ابا نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی اپنی زبان۔ خاندان کی عزت کا واسطہ دیا مگر اقبال کا فیصلہ اٹل رہا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ احمد پھوپھا اور یاسمین نے اس منحوس خبر کو کس دل سے سنا ہوگا۔ یاسمین کو اتنا شدید جذباتی صدمہ پہنچا کہ وہ بیمار پڑ گئی۔ پلنگ سے اٹھی تو نفسیاتی مریض بن چکی تھی۔ ہر وقت گم صم رہنا۔ نہ

کھانے پینے کا ہوش نہ پہننے اوڑھنے کی پرواہ۔ بیٹھے بیٹھے خود ہی ایک دم سے رونا شروع کر دیتی اور اتنا روتی کہ ہچکیاں بندھ جاتیں۔ یا پھر آپ ہی آپ ہنسنے لگتی اور ہنستی ہی چلی جاتی۔ احمد پھوپھا بیٹوں کے طرزِ عمل سے پہلے ہی بہت دکھی تھے۔ بیٹی کے غم نے ان کی کمر جھکا دی۔ ابا کو ان تمام باتوں سے اور بھی صدمہ پہنچا۔ مگر اقبال پر ان کا بھی کوئی بس نہ تھا۔ دل ہی دل میں کڑھنے کے علاوہ اور کیا کر سکتے تھے۔

اقبال کو ان تمام باتوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی منگنی توڑنے کے کچھ ہی دن کے بعد اس نے اماں کو مجبور کر دیا کہ وہ اس کا پیغام لے کر ڈپٹی صاحب کے گھر جائیں۔ وہ لوگ کب سے تیار بیٹھے تھے۔ فوراً منظور کر لیا۔ دو ہفتہ بعد منگنی ہو گئی اور عید کے مہینے میں شادی ٹھہری۔

شادی کا دن بھی آ گیا۔ دونوں طرف سے خاصا اہتمام کیا گیا تھا اقبال نے پورے مکان کو دلہن کی طرح سجا دیا۔ کمرہ عروسی کی سجاوٹ اور آرائش تو دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ دلہن کے جوڑے چڑھاوے کا زیور، بری کا ساز و سامان۔ اقبال نے خوب دل کھول کر خرچ کیا تھا۔

شادی والے دن ابا کی طبیعت صبح ہی سے ناساز تھی۔ میں نے ان کا ستا ہوا زرد چہرہ دیکھ کر مشورہ دیا کہ وہ بارات کے ساتھ نہ جائیں مگر اقبال یہ کس طرح قبول کر سکتا تھا۔ بارات بڑی شان سے گئی۔ ابا بھی بہت بجھے بجھے سے ساتھ تھے۔ ڈپٹی صاحب نے بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی بڑی شان سے بارات کا استقبال کیا گیا۔ نکاح کے بعد یادگار انداز میں عشائیہ دیا گیا۔ جہیز میں بھی خوب دریا دلی دکھائی گئی تھی۔ غرض مبارکباد کے شور پھولوں کی بارش، اور کیمروں کے فلش بلبوں کی چکا چوند میں دلہن کو رخصت کرا کے گھر لایا گیا جس کا نام اب اقبال نے ''آشیانہ'' رکھ دیا تھا ابا کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔ اس لئے وہ بارات سے کچھ پہلے ہی واپس آ گئے تھے۔

دلہا دلہن کی سجی ہوئی کار ابھی گھر کے سامنے رکی ہی تھی کہ اندر سے نصیر خالو (یہ ہماری اماں کی چچازاد بہن کے شوہر تھے) جو ابا کے ساتھ ہی واپس آ گئے تھے اندر سے گھبرائے ہوئے نکلے اقبال کار سے اتر رہا تھا۔ خالو نے اسے دیکھا اور اس کا بازو پکڑ کر بولے۔

''بیٹے جلدی سے کسی ڈاکٹر کو بلاؤ علی بھائی کی حالت بہت خراب ہے۔''

اقبال پریشان ہو گیا۔ سہرہ نوچ کر ایک طرف پھینکا اور اندر بھاگتا چلا گیا۔ میں نصیر خالو اور کچھ اور عزیز اس کے پیچھے تھے ابا اپنے کمرے میں تھے۔ اسی بیڈروم میں جو اقبال کے بیڈروم کے برابر بنا ہوا تھا۔ اور یہ دونوں کمرے کبھی زبیدہ کے مکان کا حصہ تھے۔ ابا پلنگ پر بیہوش پڑے تھے۔ چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ اقبال نے گھبرا کر ان کی نبض ٹٹولی۔ وہ نہ ملی۔ دل کی دھڑکن سننے کی کوشش کی۔ وہ بھی خاموش محسوس ہوئی۔ چیخ کر بولا۔

''انہیں جلدی سے میری کار میں پہنچا دو۔ میں انہیں سول ہسپتال لئے جا رہا ہوں۔''

اتفاق سے براتیوں میں ایک تجربہ کار ڈاکٹر بھی شامل تھے۔ نصیر خالو کی بات سنتے ہی کوئی ان کے پاس پہنچ کر انہیں بھی اندر کمرے میں لے آیا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اقبال کو ایک طرف کیا۔

''مجھے دیکھنے دیجئے۔'' وہ بولے ''میں ڈاکٹر ہوں۔''

اقبال جلدی سے ہٹ گیا۔ ڈاکٹر صاحب اپنے مطب سے اٹھ کر سیدھے بارات میں پہنچ گئے تھے اس لئے ان کے پاس ان کا بیگ بھی تھا انہوں نے بیگ سے آلہ نکال کر ابا کو دیکھا۔ جلدی سے کوئی انجکشن دیا۔ پھر دیکھا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' انہوں نے افسردگی سے کہا۔ ''یہ انتقال کر گئے ہیں۔''

اقبال نے ایک چیخ ماری۔ کمخواب کی شیروانی کا گریبان پھاڑ کر ابا کی لاش سے لپٹ گیا۔ پورے گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ آن کی آن میں شادی کا گھر ماتم سرائے میں تبدیل ہو گیا۔ اماں کو غشی کے دورے پڑنے لگے۔ ڈاکٹر صاحب نے انہیں سنبھالا۔ اس افراتفری میں نئی بیاہی ہوئی دلہن کے استقبال کا ہوش کسے تھا۔ کسی نے اسے کار سے اتار کر ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا تھا۔ خاندان کے سمجھدار اور بزرگ افراد نے کفن دفن کا انتظام کیا۔ رات کے دو بجے تدفین عمل میں آئی۔ تھکے ہارے لوگ تین بجے تک گھر واپس لوٹے۔ کچھ اپنے اپنے گھر چلے گئے اور باقی جس کو جہاں جگہ ملی پڑ کر سو گیا۔ اقبال بیرونی کمرے میں تھا اور دلہن شاہدہ ڈرائنگ روم میں۔ حجلہ عروسی اپنی تمام جگمگاہٹوں کے ساتھ تمام رات سونا اور ویران پڑا رہا۔

ابا کی موت ایک المناک حادثہ تھا۔ سب ہی اس سے متاثر ہوئے تھے۔ مگر اماں پر اس کا اثر بہت گہرا اور شدید تھا۔ لیکن پھر رفتہ رفتہ صبر آ گیا۔ زندگی اپنے معمول پر لوٹ آئی۔ خاندان میں اس شادی کا ردِعمل اچھا نہ ہوا۔ بیشتر عزیز منگنی توڑنے کے معاملہ میں خفا تھے۔ اب انہیں کہنے کا موقع مل گیا۔ میرے کانوں میں بھی باتیں پڑیں۔ شاہدہ کو منحوس اور سبز قدم کا خطاب دیا جا رہا تھا۔ تقریباً سب ہی کا خیال تھا کہ احمد پھوپھا اور یاسمین کے ساتھ جو ناانصافی کی گئی تھی یہ قدرت کی طرف سے اس کا بدلہ تھا۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ لیکن کبھی کبھی مجھے یوں لگتا تھا جیسے اس حادثہ کا تعلق حقیقت میں زبیدہ سے ہو۔

اقبال کو ان تمام باتوں کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ اس کے نزدیک ابا کا وقت آ چکا تھا۔ ان کی موت اسی طرح لکھی تھی اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں تھا نہ یہ کسی غلطی کی سزا تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اماں کی حالت اس کے بعد بھی نہ سنبھلی، وہ مستقل بیمار رہنے لگیں۔ شاہدہ نے یوں بھی ابا کی موت کا کوئی خاص غم نہ کیا تھا ظاہر تھا کہ ایک اجنبی اور نووارد ہستی تھی۔ البتہ اگر اسے معاشرتی قدروں کا احساس ہوتا تو شاید لوگ اس کی بے تعلقی کو اتنا محسوس نہ کرتے۔ لیکن وہ ایک ماڈرن گھرانے کی ماڈرن لڑکی تھی۔ اس کے لئے اپنے مزاج اور اپنی عادات کو تبدیل کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ سوگوار گھر کی بوجھل فضا اسے ناقابل برداشت لگی اور وہ دوسرے ہی دن سے اپنے میکے جو سدھاری تو چالیسویں کے بعد ہی واپس آئی۔

دوسری جانب میری بظاہر پرسکون زندگی میں ایک زبردست انقلاب آیا۔ میں کہہ چکی ہوں کہ کلیم صاحب اپنے مزاج اور خیالات کے اعتبار سے بہت حد تک اقبال جیسے تھے۔ پھر پولیس کا محکمہ گویا کریلا اور نیم چڑھا۔ ان کی طبیعت میں ضرورت سے زیادہ سختی پیدا ہو گئی تھی۔ اپنے مفاد کے لئے دوسروں کو استعمال کرنا ان کے نزدیک بھی یہ صرف جائز بلکہ عاقبت اندیشی میں شامل تھا۔ کلیم صاحب کے ساتھ میری زندگی جہنم بن جاتی مگر خدا کا شکر تھا کہ وہ گھر کو تھانہ سمجھنے کے عادی نہ تھے۔ بس اس ایک خوبی نے ازدواجی زندگی میں نبھاؤ کا ایک انداز پیدا کر دیا۔ میرا اور ان کا ساتھ کم و بیش تین سال رہا اس مدت میں ہمارے یہاں جو بچے بھی پیدا ہو گئے پہلا لڑکا اور دوسری لڑکی۔ میری سسرال میں باہمی اختلافات کے باوجود ابھی تک مشترکہ خاندان کا تصور قائم تھا۔ کلیم صاحب کے دو چھوٹے بھائی جن کی شادیاں بھی ہو گئی تھیں ہمارے ساتھ ہی رہتے تھے۔ سسر بھی اپنے زمانے میں بڑے وبنگ قسم کے تھانیدار رہ چکے تھے اور اب بھی معاملات کو اسی انداز سے دیکھنے اور طے کرنے کی عادی تھے۔ ساس بھی بہت چالاک اور زمانہ ساز قسم کی خاتون تھیں۔ تمام بیٹے اپنی نصف تنخواہ ماں کے ہاتھ پر رکھتے تھے۔ کچھ سسر صاحب کی پنشن آتی تھی۔ اور یوں سب کی ہانڈی روٹی مشترکہ پکتی تھی۔ باقی دوسرے اخراجات کے لئے سب اپنے اپنے طور پر ذمہ دار تھے۔ گھر کا کام اگرچہ مل جل کر کیا جاتا تھا۔ مگر تقسیم کار میں کمی بیشی کا انحصار ساس صاحبہ کے موڈ پر ہوتا تھا۔ جس سے خوش ہوتی تھیں اسے آسان سے آسان کام مل جاتے تھے اور جس سے کھٹ پٹ ہوتی اس کی شامت آ جاتی تھی پھر پتہ نہیں کیوں وہ بڑی سختی سے اس مقولے کی قائل تھیں کہ ایک ہنگامہ پر موقوف ہے گھر کی رونق چنانچہ جس دن سسر صاحب سے کوئی ذاتی جھڑپ نہ ہوتی تھی اس دن وہ مختلف بہوؤں کو آپس میں لڑاتی رہتی تھیں۔ بہر حال یہ کھٹ مٹھی زندگی کسی نہ کسی انداز میں بسر ہو ہی رہی تھی کہ قدرت نے اپنا دوسرا تیر چلایا۔

کچھ دنوں سے قومی شاہراہ پر رات کے اوقات میں لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کی وارداتوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ نامعلوم ڈاکو جو خطرناک آتشیں اسلحہ سے لیس ہوتے تھے بسوں اور پرائیویٹ کاروں کو سڑک پر رکاوٹیں کھڑی کر کے لوٹ لیا کرتے تھے۔ اس کے تدارک کے لئے پولیس کی کچھ گشتی پارٹیاں تشکیل دی گئیں ایک پارٹی کا چارج کلیم صاحب کے سپرد کیا گیا تھا۔ ایک منحوس رات کو ان کا مقابلہ کچھ ڈاکوؤں سے عین اس وقت ہو گیا جب کہ وہ ایک مسافر بس کو لوٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پولیس نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ ڈاکوؤں نے مقابلہ کیا۔ دونوں طرف سے گولیاں چلیں۔ کسی ڈاکو کی رائفل سے نکلی ہوئی ایک گولی کلیم صاحب کے سر پر لگی اور آن کی آن میں میرا سہاگ اجاڑ گئی۔ ڈاکو پولیس کا محاصرہ توڑ کر بھاگ نکلے اور گشتی پارٹی اپنے انچارج کی لاش اور تین زخمی کانسٹیبلوں کے ساتھ واپس آ گئی۔

ہمیں اس المناک حادثہ کی اطلاع علی الصبح ملی۔ لیکن اس واقعہ کے دوسرے دن اقبال آیا تو میں خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ اسے دیکھتے ہی میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اور جب اس نے وجہ پوچھی تو میں نے پہلی مرتبہ اسے بتایا کہ اس کے دوست کی آنکھیں بند ہونے کے بعد مجھ پر کیا کچھ بیت رہی ہے۔ اقبال کو غصہ تو بہت آیا..... مگر وہ سیاسی آدمی بن گیا تھا۔ اس نے سسر صاحب سے کوئی شکایت نہیں کی۔ اس دن تو مجھے تسلی تشفی دے کر چلا گیا۔ لیکن دو تین دن کے بعد پھر آیا اور اماں کی بیماری کا عذر پیش کر کے مجھے گھر لے جانے کی اجازت حاصل کر لی۔

میں ایک بار پھر اس گھر میں واپس آ گئی جہاں بچپن سے جوانی تک پچیس چھبیس سال گذارے تھے۔ اور اس کے بعد پھر اقبال نے مجھے سسرال نہیں جانے دیا۔ سسرال والوں کو بھلا کیا فکر ہو سکتی تھی۔ ان کے نزدیک تو گویا ایک بلا ٹلی تھی۔ البتہ انہوں نے دونوں بچوں کو بلانے کی بہت کوشش کی مگر میں نے صاف کہہ دیا کہ بچے میرے پاس رہیں گے۔ سسر صاحب نے مقدمہ بازی کی دھمکی دی مگر اقبال نے انہیں بالکل سیدھا کر دیا کلیم صاحب کے انتقال کے بعد حکومت کی پنشن اور فنڈ کے علاوہ بیس ہزار روپیہ نقد بھی دئے تھے جن پر سسر صاحب قبضہ کر کے بیٹھ رہے تھے۔ اقبال نے کہا کہ اگر وہ عدالت میں گئے تو پھر انہیں نہ صرف اس روپیہ بلکہ میرے جملہ جہیز کی واپسی کے مطالبے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سسر صاحب بالکل خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد سے ان کی جانب سے کوئی شرارت نہیں کی گئی۔ انہوں نے بچوں سے بھی ناطہ توڑ لیا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ان لوگوں سے نجات ملی۔

اقبال کو مجھ سے کتنی گہری محبت تھی اس کا اندازہ مجھے گھر واپس آ کر ہوا۔ اس نے دوسرے ہی دن سے گھر کا تمام انتظام میرے ہاتھ میں دیدیا۔ شاہدہ کو ساتھ لے کر میرے کمرے میں آیا۔ کہا کہ اس کی خواہش تھی کہ گھر کا انتظام ہمیشہ کی طرح شادی کے بعد بھی اماں کے ہاتھ میں رہے۔ لیکن وہ اپنی بیماری کی وجہ سے ایسی حالت میں نہیں ہیں کہ انہیں کسی قسم کی کوئی بھی زحمت دی جائے۔ اس لئے اس نے گھر شاہدہ کے سپرد کر دیا تھا۔ مگر اب جب کہ میں آ گئی ہوں۔ اماں کے بعد گھر کی بڑی ہونے کی حیثیت سے یہ ذمہ داری مجھے سونپ رہا ہے مجھے اس گھر میں کسی طرح بھی خود کو غیر یا کوئی بوجھ نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ یہاں جتنا حق اس کا یا کسی اور کا ہے اتنا ہی میرا بھی ہے۔ اس نے شاہدہ کو بھی سمجھایا کہ وہ اپنے ذاتی معاملات کے علاوہ ہر کام میرے مشورے اور میری ہدایت سے کرے۔ میں اچھی طرح محسوس کر رہی تھی کہ اس نے یہ قدم کیوں اٹھایا ہے۔ مگر میں شاہدہ کی طبیعت سے بھی کسی حد تک واقف تھی۔ میں نے بھیگی آنکھوں سے اسے پیار کیا اور کہا کہ اس کی محبت دیکھ کر میرا دل بڑھ گیا ہے مگر شاہدہ گھر کی دلہن ہے صحیح معنوں میں یہ حق اسی کا ہے اس کے پاس رہنا چاہئے مجھے اور میرے بچوں کو سر چھپانے کے لئے ایک کمرہ اور دو وقت کی روٹی کے سوا اور کچھ نہیں چاہئے لیکن اقبال کسی طرح نہ مانا اور یوں رسمی طور پر گھر کا انتظار میرے سپرد کر دیا گیا۔ رسمی طور پر میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ اقبال کے اصرار کے باوجود میں نے ہر بات اور ہر معاملہ میں شاہدہ ہی کو آگے رکھا۔ لیکن اسے یہ بات بھی پسند نہیں تھی کہ برائے نام ہی سہی لیکن اقبال نے مجھے اس پر ترجیح کیوں دی۔

اماں کی حالت دن بہ دن گرتی جا رہی تھی۔ ابا کے انتقال کے بعد وہ صحیح معنی میں ایک دن بھی صحت یاب نہیں رہیں۔ کلیم صاحب کے انتقال اور میری بیوگی کے غم نے انہیں اور نڈھال کر دیا۔ میرا اپنا خیال ہے کہ اگر شاہدہ نے واقعی گھر کی بہو بن کر پوری ذمہ داری سے اپنے فرائض انجام دیا ہوتا اور انہیں اپنی ماں کا درجہ دے کر خدمت کی ہوتی تو شاید انہیں اتنا ملال نہ ہوتا مگر شاہدہ نے تو کبھی دو گھڑی ان کے پاس بیٹھ کر مزاج پرسی کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی اس نے نہ صرف گھر کا بلکہ اماں کا تمام کام بھی ملازموں کے سپرد کر دیا تھا۔ میں نے گھر میں قدم رکھنے کے بعد پوری تندہی سے ان کی خدمت کی مگر شاہدہ کی لاپرواہی اور اجنبیت کا احساس ان کے دل سے دور نہ کر سکی۔ پھر گھر میں بڑھتے ہوئے جھگڑے بھی ان کے ذہن کو متاثر کر رہے تھے۔

صورت حال یہ تھی کہ خدا نے شاہدہ کو ایک چاند جیسا بیٹا عطا کیا۔ بدقسمتی سے ایک دن ایسا ہوا کہ اس نے اپنی سہیلیوں کو دوپہر کے کھانے پر بلایا۔ میں باورچی خانے میں مختلف کھانوں کی تیاری میں اس کی اور ملازمہ کی مدد کر رہی تھی اس کا لڑکا جس کی عمر اس وقت چھ ماہ کے قریب تھی اندر کمرے میں جھولے میں سو رہا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب وہ اٹھ گیا اور اس نے رونا شروع کیا۔ شاہدہ نے پہلے ملازمہ کو بھیجا کہ وہ اسے چپ کرائے۔ مگر میں جانتی تھی کہ یہ اس کے دودھ پینے کا وقت ہے۔ وہ بھوکا ہوگا اور جب تک پیٹ نہیں بھر جائے گا روتا ہی رہے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ شاہدہ اس وقت شامی کباب تل رہی تھی جب ملازمہ کے چپ کرانے سے بچہ چپ نہ ہوا تو اس نے مجھ سے کہا کہ آپا ذرا آپ جا کر دیکھ لیں۔ میں نے کہا ''دلہن یہ اس کے دودھ پینے کا ٹائم ہے۔ جب تک تم جا کر دودھ نہیں پلاؤ گی۔ وہ رتا ہی رہے گا۔ میرے جانے سے کوئی فائدہ نہیں تم جاؤ۔ شاہدہ چڑھ گئی۔ اس نے جھنجھلا کر فرائی پان چولہے سے اتار کر اس زور سے زمین پر رکھا کہ کئی کباب نیچے گر پڑے غنیمت یہ تھا کہ گھی زیادہ نہیں تھا ورنہ وہ اچھل کر اس کے ہاتھوں پر آتا۔

وہ پیر پٹکتی ہوئی چلی تو گئی مگر لڑکے کے رونے کی آواز بھی آتی رہی۔ میں نے جا کر دیکھا کہ آخر وہ اب کیوں چیخ رہا ہے۔ دیکھا کہ شاہدہ جھنجھلا کر زور زور سے ہلا رہی ہے بڑے بڑے جھونکے دے رہی ہے اور بچہ مسلسل روئے جا رہا ہے۔ میں نے کھڑکی سے جھانک کر نرمی سے کہا ''دلہن اس ننھی سی جان کے ساتھ کیا غصہ۔ وہ اس طرح چپ نہ ہوگا۔ اسے دودھ پلا دو وہ بگڑ کر زور سے ایک جھونکا دیتے ہوئے اس نے جواب دیا کہ دودھ تو اب کھانا پکانے سے فارغ ہو کر ہی پلاؤں گی۔ میں کیا کہتی خاموش ہو گئی۔ لڑکا روتا رہا۔ شاہدہ اور زور سے جھونکے دینے لگی۔ میں آگے بڑھی کہ شاید گود میں لینے سے خاموش ہو جائے اور اسی وقت شاہدہ نے اس کے مسلسل رونے سے انتہائی طیش میں آ کر جھولے کو اتنی زور سے جھونکا دیا کہ وہ جا کر چھت سے ٹکرایا اور الٹ گیا۔ لڑکا جھونکے کی پوری طاقت کے ساتھ جھولے سے اچھلا اور تقریباً گیارہ فٹ کی بلندی سے کمرے کے پختہ فرش پر آ گرا تھا۔ دیکھتے دیکھتے اس نے ایک ہچکی لی اور خاموش ہو گیا۔ شاہدہ دیوانہ وار لپکی خون میں لت پت بچہ کو گود میں اٹھا کر سینہ سے لگا لیا۔ مگر اب وہاں کیا تھا۔

بیٹے کی موت پر اقبال کلیجہ پکڑ کر رہ گیا۔ اس نے شاہدہ کو مورد الزام ٹھہرایا۔ شاہدہ نے سارا غم و غصہ مجھ پر اتار دیا۔ اس کی دلیل تھی کہ اگر میں لڑکے کو بہلا لیتی تو وہ چپ ہو جاتا کیونکہ مجھ سے خاصا مانوس تھا۔ اس واقعہ نے اقبال اور شاہدہ کے تعلقات میں اور تلخی گھول دی۔ دوسری طرف اماں کا حال اور خراب ہو گیا۔ اس کے بعد سے آئے دن میاں بیوی میں تکرار ہونے لگی دو ایک مرتبہ شاہدہ ناراض ہو کر اپنے گھر بھی چلی گئی۔ مگر پھر میرے کہنے سننے اور سمجھانے سے اقبال اسے لے آیا۔ گھر کا ماحول زیادہ سے زیادہ مکدر ہوتا گیا۔ شاہدہ بہانے نکال نکال کر مجھ سے لڑنے لگی۔ مگر میں نے کبھی اس کی باتوں کا پلٹ کر جواب نہ دیا۔ جب بھی وہ چیخنا چلانا شروع کرتی میں خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی جاتی۔

اقبال رات کے کھانے کے بعد ایک پیالی چائے پینے کا عادی تھا۔ دودھ سہ پہر کو آیا کرتا تھا۔ میں اسے کھولا کر نعمت خانے میں رکھ دیتی تھی۔ شام کی چائے ملازمہ بناتی تھی اور میں نے اسے بھی ہدایت کر دی تھی کہ وہ دودھ کو ایک ابال دے لیا کرے گرمیوں کا موسم تھا۔ ذرا سی بے احتیاطی سے دودھ پھٹ جاتا تھا۔ رات کی چائے اقبال کے لئے شاہدہ بناتی تھی اور میں نے اسے بھی کہہ رکھا تھا کہ وہ دودھ کھولا لیا کرے مگر وہ شاذ و نادر ہی توجہ دیتی تھی چنانچہ رات کو سونے سے قبل میں خود دودھ کو دیکھتی اگر وہ گرم ہوتا تو رہنے دیتی اور ٹھنڈا ہوتا (جس کا مطلب یہی ہوتا کہ شاہدہ نے اسے نہیں ابالا) تو اسے پھر کھولا کر نعمت خانے میں رکھ دیتی۔ ایک شام میرے سر میں شدید درد تھا۔ میں نے اپنے بچوں کو کھلا پلا کر سلا دیا اور خود سر درد کی ایک گولی کھا کر لیٹ گئی۔ بدقسمتی سے مجھے نیند آ گئی اور پھر صبح ہی آنکھ کھلی اقبال کے دفتر کا وقت آٹھ بجے تھا۔ ناشتہ شاہدہ بناتی تھی۔ وہ اٹھی حسب معمول ناشتہ بنایا۔ چائے میں دودھ ڈالنے کے لئے اسے گرم کیا تو وہ پھٹ گیا۔ اس کا لازمی مطلب یہ تھا کہ گذشتہ رات شاہدہ نے اقبال کو چائے دیتے ہوئے اسے نہیں ابالا تھا۔ اقبال دودھ کی تلاش میں نکلا تو کہیں نہ ملا۔ سب دکانوں پر ختم ہو چکا تھا۔ وہ غصہ میں جلا بھنا واپس آیا اور شاہدہ پر برسنے لگا۔ شاہدہ نے ایک بار پھر حسب عادت مجھ پر الزام رکھ دیا کہ اگر اس نے نہیں ابال تھا تو مجھے کیا ہو گیا تھا۔ میں نے کیوں نہیں خیال رکھا۔ وقت کی بات تھی۔ اقبال کو اس عذر لنگ پر اور غصہ آ گیا۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے وہیں کھڑے کھڑے شاہدہ کو تین طلاقیں دیدیں اور جوش میں بھرا ہوا دفتر چلا گیا۔ شاہدہ نے بھی اپنے غصہ میں کچھ غور نہیں کیا کہ کتنی بڑی انہونی بات ہو گئی ہے۔ اس نے اپنا سامان درست کیا۔ بیشتر اچھے کپڑے۔ زیورات اور جو کچھ نقد روپیہ پاس تھا۔ ساتھ لیا اور ٹیکسی منگوا کر اپنے گھر

چلی گئی۔

بعد میں جب اقبال کو احساس ہوا کہ کیا کر بیٹھا ہے۔ تو بہت پریشان ہوا۔ خلافِ معمول دفتر سے جلدی آ گیا دیکھا کہ شاہدہ میکے چلی گئی ہے تو وہ اسی وقت ڈپٹی صاحب کے گھر پہنچا۔ مگر وہاں شاہدہ پہلے ہی اپنی داستان نمک مرچ لگا کر سنا چکی تھی۔ ویسے بھی شوہر اور بیوی کے اختلافات میں ڈپٹی صاحب اور ان کے گھر والوں کا طرز عمل ہمیشہ یہی رہا تھا کہ جیسے تمام تر غلطی اقبال کی ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ ہر معاملہ میں شاہدہ کی طرفداری کیا کرتے تھے۔ اب اقبال وہاں گیا تو اسے عملاً دھکے دے کر گھر سے نکال دیا گیا۔ اور بڑے سالے صاحب نے واضح طور پر دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اب ان کی ملاقات کمرہ عدالت میں ہوگی۔ اقبال واپس آ گیا اس کے دل میں مصالحت کا کوئی جذبہ تھا بھی تو ختم ہو گیا۔ اماں کو یہ حالت معلوم ہوئی تو ان کی حالت اور زیادہ خراب ہو گئی۔ اقبال بیوی کی فکر چھوڑ کر ماں کی زندگی بچانے کے لئے دوڑ دھوپ کرنے لگا۔ اچھے سے اچھے ڈاکٹر کو دکھایا گیا۔ مگر ان کی زندگی کی مہلت بھی پوری ہو چکی تھی۔ طلاق کے واقعہ کو ابھی ایک مہینہ بھی نہ ہوا تھا کہ وہ ہمیں تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔

ڈپٹی صاحب نے اس دوران شاہدہ کی جانب سے فیملی کورٹ میں مہر اور جہیز کا دعویٰ دائر کر دیا تھا۔ حالانکہ شاہدہ مہر معاف کر چکی تھی۔ چنانچہ اقبال اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ خواہ اسے ملک کی آخری عدالت تک ہی کیوں نہ جانا پڑے مگر وہ مہر کی ادائیگی کا مطالبہ کبھی تسلیم نہیں کرے گا۔ لیکن گذشتہ پے در پے حادثات سے میں بہت گھبرا گئی تھی میرے ذہن سے اب تک یہ خیال نہیں نکلا تھا کہ اقبال کی بنیادی ترقی۔ مال و دولت کی فراوانی کے باوجود ہم پر جو مصیبتیں ٹوٹ رہی ہیں۔ وہ سب اس ظلم و زیادتی کا شاخسانہ ہیں جو ہماری طرف سے زبیدہ اور اس کے یتیم بچوں پہ روا رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ایک دن میں نے بڑی سنجیدگی سے اقبال کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ دنیا کو حاصل کرنے کے لئے اپنی آخرت سے بے پرواہ نہ ہو۔ اس نے زبیدہ اور یاسمین کے ساتھ جو کیا وہ کیا لیکن اب مزید کوئی ایسا کام نہ کرے جو خدا رسولؐ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو۔ اول تو اسے جذبات میں آ کر طلاق دینا ہی نہیں چاہئے تھی۔ لیکن اب جب کہ یہ غلطی ہو ہی چکی ہے تو اسے چاہئے کہ اس معاملہ کو دین و شریعت کی منشاء کے مطابق انجام دے اور دین یہ کہتا ہے کہ مہر عورت کا حق ہے۔ اگر تم ایک دوسرے کے ساتھ گذارا نہ کر سکو تو پھر اپنی بیویوں کو خوش اسلوبی اور احسان کے ساتھ رخصت کرو۔ چنانچہ چاہئے کہ اس مسئلہ کو عدالت سے باہر ڈپٹی صاحب اور شاہدہ سے مصالحت آمیز انداز میں طے کر لے۔ اقبال کچھ نیکی کے موڈ میں تھا کہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی یا پھر شاید ان حالات نے اسے بھی اپنے نظریات اور طرز عمل پہ نظر ثانی کے لئے مجبور کر دیا تھا اس نے مصالحت کی کوشش کی۔ ڈپٹی صاحب پہلے تو بات سننے پر ہی آمادہ نہ تھے مگر پھر کچھ لوگوں نے درمیان میں پڑ کر ان کی اور اقبال کی ملاقات کرا دی۔ دو چار ملاقاتوں میں دوست احباب کے دباؤ اور پیہم جد و جہد سے آخر کار مصالحت کی راہ نکل آئی۔ ڈپٹی صاحب نے اعتراف کیا کہ جہاں تک جہیز کے مطالبہ کا تعلق ہے تو شاہدہ اپنے ساتھ تمام زیورات لے آئی ہے (وہ بھی جو اسے جہیز میں ملے تھے اور وہ بھی جو ہماری طرف سے چڑھائے گئے تھے) انہیں پورے جہیز کا نعم البدل سمجھا جا سکتا ہے۔ رہا مہر کا معاملہ جس کی رقم بیس ہزار تھی۔ تو وہ اقبال کو ساری کی ساری ادا کرنا پڑے گی۔ اقبال کا کہنا تھا کہ شاہدہ اپنا تمام جہیز لے جائے (وہ بھی جو ہمارے گھر باقی رہ گیا تھا مثلاً فرنیچر وغیرہ) چڑھاوے کے زیورات کو مہر میں شامل کر کے ان کی قیمت نکالنے کے بعد جو رقم باقی رہ جاتی ہے وہ اس سے لے لی جائے بڑی بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ اقبال تمام جہیز واپس کر دے اور چڑھاوے کے زیورات کے علاوہ مزید دس ہزار ادا کر دے تو مقدمہ عدالت سے واپس لے لیا جائے گا۔ اقبال نے مجھ سے مشورہ کیا۔ میں نے اسے یہ حل قبول کرنے کی رائے دی۔ چنانچہ اس نے دس ہزار روپے شاہدہ کو دیدیئے۔ ڈپٹی صاحب نے مقدمہ ختم کر دیا۔ اور یوں شاہدہ بھی ہماری زندگی سے نکل گئی۔

ابا گئے۔ اماں گئیں۔ بچے کا انتقال ہوا۔ شاہدہ رخصت ہوئی۔ گھر بالکل اجڑا اجڑا سا لگنے لگا۔ وہ گھر جس کے لئے اقبال نے اتنی جدوجہد کی تھی۔ زبیدہ اور اس کے یتیم بچوں کا مکان چھینا تھا۔ رشوتیں لی تھیں اور دی تھیں نہ جانے اور بھی کتنے غلط کام کئے تھے اس گھر کی خاموشی اور تنہائی پر اب قبرستان کا گماں ہوتا تھا۔ اقبال کو بھی ہوش آ رہا تھا آنکھیں بند کر کے دنیا کے پیچھے بھاگنے کا نتیجہ دیکھ رہا تھا ایک رات کھانا کھانے کے بعد میں نے اس سے بات کی اسے بتایا کہ اس طرح زندگی نہیں گذاری جا سکتی۔ خدا اسے سلامت رکھے ابھی اسے ایک طویل مدت بسر کرنی ہے۔ بڑا لمبا راستہ طے کرنا ہے۔ اسے ایک ساتھی اور رفیق زندگی کی ضرورت ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ہمارے بعد کوئی ہمارا نام لیوا باقی رہے چنانچہ مصلحت اور دور اندیشی اسی میں ہے کہ جو کچھ ہوا ہے اُسے بھلا کر نئے سرے سے ابتداء کی جائے وہ دوسری شادی کرے۔ اقبال کو بھی گھر کے سُونے پن اور میری تنہائی کا احساس تھا۔ اس نے کوئی بحث نہیں کی صرف اتنا کہا کہ اب اسے اپنی بیٹی کون دے گا۔ میں نے جواب دیا کہ وہ اس کی فکر نہ کرے میں نے اس کا حل بھی سوچ لیا ہے اور پھر اس کے سامنے تجویز پیش کی کہ..... وہ جا کر احمد پھوپھا سے معافی مانگے۔ یاسمین ابھی تک بن بیاہی بیٹھی ہوئی ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے۔ اس کا تدارک کسی نہ کسی حد تک اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دوبارہ یاسمین کے ہاتھ کی خواش ظاہر کر کے امید تو یہ ہے کہ احمد پھوپھا مان جائیں گے۔ اقبال سوچ میں پڑ گیا میں نے وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ یوں تو یہ تجویز بہت اچھی ہے۔ لیکن سنا ہے یاسمین نفسیاتی مریضہ بن چکی ہے۔ کہیں اسے گھر میں لانا کچھ اور نئی پریشانیوں کو دعوت دینے کا ہم معنی ثابت نہ ہو یہ پہلو میرے سامنے بھی تھا۔ مگر میرا خیال تھا کہ اقبال ہی یاسمین کی بیماری کی وجہ بنا ہے اس لئے اس بات کا قوی امکان ہے کہ اگر یاسمین کی اس محرومی کا مداوا ہو جائے تو شاید اس کی بیماری بھی جاتی رہے۔ یہ ہی بات میں نے اقبال کو سمجھانے کی کوشش کی اور آخر وہ مان گیا۔

جمعہ کے مبارک دن ہم دونوں بہن بھائی احمد پھوپھا کے گھر پہنچے۔ وہ غیر متوقع طور پر ہمیں دیکھ کر حیران رہ گئے بہت نیک اور سادہ دل انسان تھے۔ اقبال سلام کر کے ان کے گلے سے لگ گیا تو انہوں نے منہ نہیں پھیرا۔ ان کی پیشانی پر شکنیں نہیں پڑیں۔ ہمارے گذشتہ سلوک پر ہمیں لعن طعن نہیں کیا بلکہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اقبال نے بہتی آنکھوں کے ساتھ ان سے معافی مانگی اور انہوں نے بڑی شفقت سے اس کی پشت اور سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے معاف کر دیا۔ وہ دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور میں کمرے میں چلی گئی جہاں یاسمین بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر میرے دل پر ایک گھونسہ سا لگا۔ اچھی خاصی خوبصورت صحت مند لڑکی تھی مگر اب اس کا دمکتا ہوا سرخ و سفید چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ ویران آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے نمایاں تھے۔ پہلے اس نے مجھے اجنبی نظروں سے دیکھا مگر پھر اس کی آنکھوں میں پہچان کے تاثرات ابھرے۔ ''ارے زینب آپا آپ''۔ اس نے تعجب سے کہتے ہوئے سلام کیا۔ ''آج آپ کہاں راستہ بھول کر آ گئیں''۔ میں نے اسے گلے سے لگا لیا۔ پیار کرتے ہوئے۔ بولی اچھی بہن راستہ بھولی نہیں بلکہ بھولا ہوا راستہ یاد آ گیا ہے۔ اور اگر صبح کا بھولا ہوا شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے''۔ یاسمین کے چہرے پر ایک حسرت سی چھا گئی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور یہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔ ''صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا''۔ میں نے پوچھا۔ ''کہاں جا رہی ہو؟ بولی آپ لوگ آ گئے ہیں۔ چائے تو پلانا ہی پڑے گی''۔ اور اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

مجھے اس کے اٹھنے بیٹھنے بات کرنے میں کوئی ایسی غیر معمولی بات محسوس نہیں ہوئی۔ میں نے باہر احمد پھوپھا سے پوچھا کہ آخر یاسمین کو بیماری کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یوں تو وہ ہر کام معمول کے مطابق کرتی ہے گھر کا سارا انتظام ہی اس کے ہاتھوں میں ہے مگر جب کبھی دورہ پڑتا ہے تو بیٹھے بیٹھے آپ ہی کبھی ہنستی ہے کبھی روتی ہے۔ اندھیرے کمرے میں جانے سے ڈرتی ہے منہ ہاتھ دھونے پر آتی ہے تو دھوتی ہی چلی جاتی ہے۔ یہ ہی حال غسل کرنے کا ہے۔ ابھی نہا کر نکلی ہے۔ کسی نے گیلے بدن اسے چھو لیا تو وہ دوبارہ غسل خانے میں گھس جائے گی یا تو خود ہی دماغ میں آ گئی کہ جسم پاک نہیں ہوا تو پھر نہانا شروع کر دے گی۔ کھانا بہت کم کھاتی ہے۔ بلکہ عموماً بھول جاتی ہے اور اسے یاد کر کے زبردستی اپنے

ساتھ کھانے کے لئے بٹھانا پڑتا ہے۔ سنگھار کرنے اور نیا کپڑا پہننے سے اسے وحشت ہوتی ہے۔ بس منھ ہاتھ دھوکر کنگھی کر لیتی ہی۔ کوئی نیا جوڑا نہیں پہنتی جب تک اسے دو تین بار دھوکر اس میں کچھ پرانا پن نہیں پیدا کر لیتی کئی ڈاکٹروں سے علاج کرایا۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ مسلسل یا مہنگا علاج کرانے کی وسعت نہیں ہے۔ بس خدا کے سہارے چھوڑ دیا ہے کہ شاید کبھی خود ہی ٹھیک ہو جائے۔

دریافت حال اور اِدھر اُدھر کی کچھ باتوں کے بعد میں حرف مدعا زبان پر لائی۔ کہا کہ پھوپھا یہاں بلاشبہ ہم سے زیادتی ہوئی بھی۔ اور اس زیادتی کی سزا بھی برداشت کر چکے ہیں اب اگر وہ پرانی باتیں بھول کر معاف کر دیں تو ٹوٹا ہوا رشتہ دوبارہ استوار کیا جا سکتا ہے ممکن ہے اس طرح یاسمین کی بیماری بھی دور ہو جائے۔

میں نے کہا پھوپھا میاں میں تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد آپ کی خدمت درخواست لے کر آئی ہوں۔ آپ ہماری نہیں اپنی بات کریں۔ یاسمین کے بارے میں جو کچھ آپ نے کہا میں اسے منگنی ٹوٹنے کا ردعمل سمجھتی ہوں۔ آپ اس سے پوچھ کر دیکھ لیں مجھے امید ہے کہ اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ احمد پھوپھا کی باتوں سے ظاہر تھا کہ وہ اپنے طور پر میری تجویز سے بہت خوش ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ یہ شادی ہو جائے۔ چنانچہ آخر میں یہ ہی طے ہوا کہ وہ نہ صرف یاسمین سے ذکر کریں گے بلکہ اگر اس نے انکار کیا تو اسے سمجھانے کی کوشش بھی کریں گے۔ اس دوران یاسمین ہمارے لئے چائے بنا کر پھر اپنے کمرے میں جا چھپی تھی۔ ہم مزید کچھ دیر بیٹھ کر چلے آئے احمد پھوپھا نے کہا کہ وہ جلد سے جلد یاسمین سے گفتگو کر کے ہمیں نتیجہ سے مطلع کر دیں گے۔

تقریباً ایک ہفتہ کے بعد احمد پھوپھا ایک شام ہمارے گھر آئے وہ قدرے خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا اقبال کے پیام کا ذکر کیا تھا۔ مگر وہ سن کر پتھر کے کسی بت کی طرح بالکل خاموش رہی۔ بہت پوچھا بہت اصرار کیا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر اس ساتھ یہ بھی حقیقت تھی کہ اسے شادی کے نام سے کوئی دورہ نہیں پڑا۔ اس کی خاموشی دیکھتے ہوئے انہوں نے خاندان کے بزرگوں سے مشورہ کیا اور سب نے یہ ہی رائے دی یہ بہت اچھا اور نیک کام ہے۔ اسے بہت پہلے ہو جانا چاہئے تھا۔ نہیں ہوا تو اس میں بھی خدا کی مصلحت تھی۔ اب اگر یاسمین خاموش ہے اور اس کی طبیعت پر کوئی ناگوار اثر بھی نہیں پڑا ہے تو اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھا جائے۔ چنانچہ احمد پھوپھا اس فرض سے جتنی جلد ممکن ہو سبکدوش ہو جائیں۔ اس لئے انہوں نے بھی بزرگوں کے مشورے اور یاسمین کی نیم رضامندی کے پیش نظر یہ ہی فیصلہ کیا ہے کہ ہمارا پیام منظور کر لیا جائے مجھے احمد پھوپھا کی اس بات سے بے حد مسرت ہوئی۔ ان کے جانے کے بعد نماز پڑھ کر خدا کا شکر ادا کیا اور دعا مانگی کہ خدا اس تعلق کو سازگار کرے اور ہمارے گھر کی روٹھی ہوئی خوشیاں ایک بار پھر پلٹ آئیں۔

کسی جانب سے کسی خاص تیاری ضرورت نہیں تھی۔ اگلے ماہ کی پہلی جمعرات کو بہت سادگی اور خاموشی سے اقبال اور یاسمین کا عقد ہو گیا۔ اور یوں ابا مرحوم کی خواہش کے مطابق آخر کار یاسمین دلہن بن کر ہمارے گھر آ گئی۔

دو تین مہینے خاصے سکون سے گذر گئے۔ بظاہر یاسمین بھی ٹھیک تھی۔ اسے کوئی دورہ نہیں پڑا بس وہ جو دو تین باتیں اس کے اندر آ گئی تھیں۔ بار بار منہ ہاتھ دھونا، تاریکی سے گھبرانا۔ سنگھار نہ کرنا وغیرہ ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی (یہاں یہ بات بھی بتا دوں کہ یاسمین نے شادی کے دن بھی کوئی سنگھار نہیں کیا تھا اور نہ نئے کپڑے پہنے تھے) اقبال یوں تو خوش تھا مگر اس کے انداز سے کچھ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی خاص بات کے سلسلہ میں ذہنی الجھن کا شکار ہے۔ ایک دو مرتبہ میں اسے کمرے میں تنہا بیٹھے کسی سوچ میں اس قدر گم پایا کہ دو تین مرتبہ آواز دینے پر چونک کر متوجہ ہوا۔ آخر ایک دن جب کہ یاسمین غسل خانے میں تھی اور اقبال کچھ زیادہ ہی سنجیدہ اور فکر مند نظر آ رہا تھا میں نے اس سے پوچھ ہی لیا کہ اسے کونسی فکر پریشان کر رہی ہے۔

میری بات سن کر وہ اس طرح چونکا جیسے میں نے اس کی کوئی چوری پکڑ لی ہو۔ کچھ دیر تک خاموش رہا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''آپا میں ایک عجیب صورت حال سے دو چار ہوں۔ آپ میری بڑی بہن ہیں۔ احترام بھی پیش نظر ہے اور پھر بات بھی ایسی ہے کہ ایک عورت کی حیثیت میں اس کا ذکر آپ سے کرنا کچھ معیوب سا لگتا ہے مگر آپ کے سوا میں اپنے دل کا حال اور کسے بتاؤں۔ بات یہ ہے کہ مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یاسمین اس شادی سے خوش نہیں ہے اور وہ مجھے ایک شوہر کی حیثیت میں بہ مشکل بلکہ میں تو کہوں گا کہ بہ جبر و کراہ برداشت کر رہی ہے''۔ میں یہ سن کر حیرت میں رہ گئی۔ فاطمہ پھوپھی کے گھر زیادہ آنا جانا نہیں ہوتا تھا۔ مگر اب سے تین چار برس پہلے یعنی اس وقت تک جب کہ اقبال اور یاسمین کی منگنی نہیں ٹوٹی تھی میں جب بھی ان کے گھر گئی یاسمین سے مل کر اور اس سے گفتگو کر کے یہی احساس ہوا کہ وہ اقبال کو بہت چاہتی ہے۔ اس کے تصورات کی دنیا میں اقبال ہی چھایا ہوا ہے۔ وہ اس کا نام سن کر بری طرح شرما جاتی۔ اس کے چہرہ پر مسرت آمیز حیا کی سرخی چھا جاتی کوئی اچھی چیز پکاتی۔ مثلاً حلوہ وغیرہ تو خاص طور سے اقبال کے لئے بھجواتی یا چھپا کے رکھ دیتی کہ جب کبھی وہ آئے گا چائے کے ساتھ اس کے سامنے رکھے گی۔ اس کے لئے رومال کاڑھتی رہتی غرض اس کی ہر بات اور ہر ادا سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اسے یہ رشتہ بہت پسند ہے۔ پھر منگنی ٹوٹنے پر وہ جس طرح بیمار پڑی اس سے..... اس خیال کی مزید تصدیق ہوتی تھی اس لئے فطری طور پر مجھے اقبال کی زبان سے اس کے برعکس بات سن کر مجھے تعجب ہوا میں نے اس سے سوال کیا کہ اس نے کس بات سے سمجھا کہ یاسمین اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ جواب میں اقبال نے بڑے تذبذب اور ہچکچاہٹ کے ساتھ بتایا کہ تنہائی میں وہ کبھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ اس کی باتوں کا جواب نہیں دیتی اصرار کرتا تو بس پتھر کا بت بن جاتی ہے یا پھر کوئی بے جان گڑیا جس کے اندر کوئی حس کوئی جذبات نہیں ہوتے۔ ایک دوسرے کے انتہائی قریب آ کر بھی یوں لگتا ہے جیسے ان کے درمیان کوئی غیر مرئی دیوار حائل ہے جیسے وہ خواب گاہ میں نہیں بلکہ دور کہیں خیالات کے صحرا میں اکیلی بھٹک رہی ہو۔ اس کی ہر بات پر مشینی انداز میں عمل کرتی ہے۔ اس کا چہرہ اتنا سپاٹ اور بے رنگ ہوتا ہے۔ گویا وہ اقبال کو اپنی خواہش اور پسند کے خلاف برداشت کرنے پر مجبور ہو بلکہ کبھی کبھی اس کے ہونٹ کاٹنے اور منھ بھینچنے سے یوں محسوس ہوتا کہ جیسے وہ اقبال سے نفرت کرتی ہو۔

یہ واقعی بڑی عجیب باتیں تھیں۔ میں خود بھی انہیں سن کر فکر مند ہو گئی۔ مگر میں نے انہیں یاسمین کی نفسیاتی بیماری کا ایک اور پہلو سمجھا اور اقبال کو بھی یہی سمجھا کر مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ یاسمین کو کسی اچھے ماہر نفسیات کو دکھا کر اس کا علاج کرائے خدا نے چاہا تو وہ صحت یاب ہو جائے گی۔ اقبال نے اسی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ ''آپا شاید آپ ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں۔ میں آج ہی کسی ڈاکٹر سے مشورہ کروں گا۔'' اس نے یہ کہا ہی تھا کہ یاسمین کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ نہا کر آ رہی تھی۔ ہم اپنی باتوں میں اس کے قدموں کی آہٹ نہیں سن سکے تھے۔ اس لئے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ ابھی سیدھی غسل خانے سے آ رہی ہے یا کچھ دیر کھڑے ہو کر ہماری باتیں سن چکی ہے۔ میں کمرے سے باہر آ گئی۔ کچھ دیر کی بعد اقبال بھی لباس تبدیل کر کے کہیں چلا گیا۔ اس وقت یاسمین میرے پاس آ گئی۔ بولی۔ ''آپا میں نے آپ کی اور آپ کی بھائی کی باتیں سن لی ہیں۔ ان سے کہدیں کہ مجھے کسی علاج کی ضرورت نہیں ہے۔ اول تو میں بیمار نہیں ہوں۔ اور اگر ہوں۔ تو مجھے اس بیماری سے صحت یاب ہونے کی کوئی خواہش نہیں اپنے بھائی کو بتا دیں کہ وہ کس منہ سے میرے پتھر کے بت یا بیجان گڑیا ہونے کی بات کرتے ہیں۔ انہیں اس پر حیرت کیوں ہے۔ انہوں نے مجھے انسان کب سمجھا تھا۔ میں تو ان کے نزدیک سد' سے ایک بے حس و بیجان گڑیا ہی ہوں۔ اگر نہیں تو کیا منگنی توڑتے وقت انہوں نے سوچا تھا کہ ان کے اس فیصلہ سے میرے دل پر کیا گذرے گی۔ میرے جذبات واحساسات کا عالم کیا ہوگا اگر انہیں اس وقت میرے جذبات کی پرواہ نہیں تھی تو آج کیوں وہ ان کی عدم موجودگی کی شکایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کسی نادان بچے کی طرح مجھے ایک کھلونہ خیال کرتے ہوئے

جب میری ضرورت نہیں تھی تو ٹھکرا دیا۔ اور پھر جب اپنی خواہش ہوئی تو خرید لائے۔ مجھے کھلونا بنانے کے بعد اب انہیں میرے جذبات سے عاری ہونے کا گلہ کیوں ہے۔ مگر آپا نہ میں اس وقت کوئی گڑیا تھی نہ اب کوئی پتھر کا مجسمہ ہوں۔ میرے بھی جذبات واحساسات ہیں۔ میرے سینے میں بھی دل ہے۔ وہ ہی دل جو کبھی ان کے تصور سے دھڑکتا تھا مگر جس میں آج ان کے لئے نفرت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ میں نے شادی کر کے ان سے انتقام لیا ہے۔ انہیں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ آدمی اگر سچ مچ پتھر بن جائے تو کیا ہوتا ہے۔

اور اتنا کہنے کے بعد اس نے بے اختیار ہنسنا اور قہقہے لگانا شروع کر دیئے۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوئے۔ صرف اس کی باتیں سن کر ہی نہیں بلکہ اس کے ہنسنے کا انداز بھی دیکھ کر یہ ہوش مندی کی ہنسی ہرگز نہیں ہوتی۔ میں گھبرا کر اس کی طرف بڑھی۔ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''ہوش میں آؤ یاسمین'' میں نے زور سے چلا کر کہا'' یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔'' مگر وہ برابر قہقہے لگاتی رہی یوں جیسے انہیں روکنا اس کے بس میں نہ ہو میں نے اس کے منھ پر زور سے ایک تھپڑ مار دیا۔ اور اس کے قہقہے ایک دم رک گئے۔ اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اس طرح جیسے پہلی مرتبہ دیکھ رہی ہو۔ اور پھر ایک دم اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں وہ سسکیاں لیتے ہوئے مجھ سے لپٹ گئی'' آپا مجھے معاف کر دیجئے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ میں پاگل ہوں۔ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ایک پاگل کی بات کا خیال نہ کریں۔ میں واقعی اس قابل نہ تھی کہ آپ کے بھائی مجھ سے شادی کرتے۔ میں بہت بری ہوں اور اس کے ساتھ ہی وہ روتی ہوئی اپنے کمرے میں بھاگ گئی میں اس کے پیچھے لپکی کہ تسلی تشفی دے کر خاموش کرا سکوں مگر اس نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ میں نے کھولنے کے لئے کہا تو بولی ''آپا اس وقت آپ چلی جائیں مجھے اکیلا چھوڑ دیں''

میں مجبوراً اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ مگر اب میں اس کی جانب سے زیادہ فکر مند ہو چکی تھی مجھے اندیشہ تھا کہ اگر اس کی ذہنی کیفیت ایسی ہی رہی تو کہیں کسی روز وہ اپنے آپ کو یا اقبال کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے یاسمین دوپہر کے کھانے کے لئے بھی کمرے سے باہر نہیں آئی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ وہ کمرے کا دروازہ کھول دے۔ کھانا کھا لے۔ مگر اس نے دونوں باتوں سے انکار کر دیا۔ اقبال پتہ نہیں کہاں چلا گیا تھا کہ وہ بھی دوپہر کھانے کے وقت تک نہیں لوٹا۔

تقریباً تین بجے کا وقت تھا۔ میں کھانا کھا کر پلنگ پر لیٹے ہوئے۔ یاسمین کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی کہ گھر کی ملازمہ بوکھلائی ہوئی اندر آئی جلدی چلئے بی بی جی، اس نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا ''دلہن بیگم کے کمرے سے دھواں نکل رہا ہے۔'' میں اچھل کر پلنگ سے نیچے اتری۔ ننگے پیر ہی اقبال کے بیڈروم تک بھاگتی چلی گئی۔ دیکھا کہ واقعی بند دروازوں اور کھڑکیوں سے گہرا سیاہ دھواں بڑی تیزی سے باہر نکل رہا ہے۔ میں نے دروازہ پیٹ ڈالا مگر اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اور اسی وقت اقبال آ گیا۔ میں اسے دیکھتے ہی زور سے چیخی ''خدا کے لئے کچھ کرو اقبال، یاسمین نے کمرے میں آگ لگا دی ہے۔''

اقبال نے یاسمین کو آوازیں دیتے ہوئے دروازے پر زور آزمائی کی۔ پھر دونوں کھڑکیوں پر ہاتھ مارا ایک کھڑکی غالباً اندر سے بند نہیں تھی کہ اس کے پٹ کھل گئے۔ ہم نے جھانک کر دیکھا۔ خواب گاہ شعلوں میں گھری ہوئی تھی اور ان شعلوں کے درمیان یاسمین جلتے ہوئے پلنگ پر بیہوش پڑی تھی آگ اس کے کپڑوں میں بھی لگی ہوئی تھی۔ کھڑکی میں لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ اقبال نے چیخ کر مجھے اور ملازمہ کو کھڑکی کے ذریعہ پانی اندر پھینکنے کو کہا اور خود فائر بریگیڈ کو اطلاع کرنے باہر بھاگا۔ میں نے اور ملازمہ نے بالٹیوں میں پانی بھر بھر کر اندر پھینکنا شروع کیا۔ چند منٹ کے اندر ہی محلے کے بہت سے لوگ اندر گھس آئے۔ ان سب نے مل کر دروازہ توڑ دیا۔ مگر اس وقت تک آگ اتنی بھڑک چکی تھی کہ کسی کے اندر گھسنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اقبال فائر بریگیڈ کو فون کر کے لوٹا تو اس نے پانی کی بھیگی چادر اوڑھ کر دیوانہ وار کمرے میں گھسنے کی کوشش کی لیکن لوگوں نے اسے پکڑ لیا آگ اتنی شدت اختیار کر چکی تھی کہ کمرے میں جانا صریحاً خودکشی کے مترادف تھا۔ ہمیں اندر سے مٹی کے تیل کی بو بھی آ رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ یاسمین نے پہلے تمام کمرے میں اور غالباً خود اپنے آپ پر بھی مٹی کا تیل چھڑکا اور اس

میں ماچس دکھا دی۔

فائر بریگیڈ بھی آ گیا۔ آگ ہم لوگوں کی تمام تر کوشش کے باوجود دوسرے کمرے تک پھیل چکی تھی۔ فائر بریگیڈ ایک گھنٹے کی متواتر جد وجہد کے بعد آگ بجھانے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن اس وقت تک خواہ گاہ اپنے تمام ساز وسامان سمیت جل کر کوئلہ ہو چکی تھی۔ اور اس کے ساتھ یاسمین بھی۔ اس کی جلی ہوئی لاش کو بڑی خراب حالت میں باہر نکالی گئی۔ اسے ایک نظر دیکھنے کے لئے بھی بڑے دل گردے کی ضرورت تھی۔ میں نے دیکھنے کی کوشش کی مگر بیہوش ہو کر گر پڑی۔

ہوش آیا تو پورے بیس گھنٹے گذر چکے تھے دوسرے دن کی دوپہر تھی۔ میں اپنے کمرے میں بستر پر لیٹی تھی اور میرے قریب ایک کرسی پر اقبال سر جھکائے بیٹھا تھا مجھے ہوش میں دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ ابھری وہ جلدی سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور جھک کر میرا حال پوچھا میں بے حد نقاہت کمزوری اور تھکن محسوس کر رہی تھی۔ اس نے مجھے کوئی دوا پلائی۔ پھر دودھ لا کر دیا کہ اسے پی لوں۔ میں ایک خود فراموشی کے سے عالم میں جو کچھ وہ کہتا گیا کرتی گئی۔ پورا حادثہ ذہن میں تازہ ہو چکا تھا مگر پوچھنے اور زبان کھولنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ اس نے خود ہی بتایا کہ میرے دونوں بچے ٹھیک ہیں (شاید میں نے ابھی تک یہ نہیں بتایا ہے۔ کہ میرے بچوں میں بڑا لڑکا تھا۔ اور چھوٹی لڑکی۔ لڑکے کی عمر تقریباً تین سال تھی اور لڑکی دو برس کی تھی۔ میں نے اس کا دودھ بھی کچھ ہی دن پہلے چھڑایا تھا (اور صغیرا خالہ یہ ہماری اماں کی ایک رشتہ کی بہن تھیں) ان کی دیکھ بھال کر رہی ہیں۔ میں صدمہ سے بیہوش ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر نے مجھے سکون اور طاقت کا انجکشن دے دیا تھا جس کے زیر اثر میں سوتی رہی۔ ڈاکٹر نے یہ ہدایت بھی کر دی تھی کہ جب تک میں خود ہی نہ جاگوں مجھے نہ اٹھایا جائے۔ اس نے پھر بتایا کہ آج دوسرے دن کی دوپہر ہے یاسمین کو صبح دفن کر دیا گیا۔ احمد پھوپھا کل شام ہی آ گئے تھے اور رات بھر بیٹی کے سرہانے قرآن شریف پڑھتے رہے انہوں نے بڑے صبر کا مظاہرہ کیا ہے۔ عام طور پر سب کا خیال یہ ہے کہ اس نے دورے کی حالت میں مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا لی۔ ملازمہ نے سب کو یہ ہی بتایا ہے کہ دلہن بیگم پر دورہ پڑا وہ خوب ہنستی اور قہقہے لگاتی رہیں پھر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا اور کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئیں دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ آگ لگنے سے کچھ پہلے ملازمہ یاسمین کو کمرے سے نکل کر باہر باورچی خانے میں جاتے دیکھا تھا۔ وہ یہی سمجھی کہ دلہن بیگم کچھ کھانے پینے گئی ہیں پھر کس وقت وہ مٹی کا تیل کا ٹین لے کر کمرے میں واپس چلی گئیں یہ اس نے نہیں دیکھا۔ مٹی کے تیل کا خالی جلا ہوا ٹین کمرے میں ملا ہے۔

اقبال یہ سب کچھ بتا رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ یاسمین سے میری جو گفتگو ہوئی ہے اس کے بارے میں اقبال سے کچھ کہوں یا نہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یاسمین نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ سچ ہی تھا۔ بلاشبہ اس نے اقبال کو اس کے سابقہ طرز عمل کا احساس دلانے بلکہ شاید سزا دینے کے خیال سے ہی شادی کی تھی۔ مگر اسے اقبال سے اتنی گہری محبت تھی کہ وقتی طور پر اس کی محبت پر جو نفرت کا جذبہ حاوی ہو گیا تھا۔ وہ زیادہ دن برقرار نہ رہ سکا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ غلطی کر رہی تھی اور اسی غلطی اور پچھتاوے کو اس نے اپنی ذہنی علالت کی وجہ سے اتنی شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کر دی۔ میں دیر تک سوچتی رہی اور آخر یہ ہی فیصلہ کیا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا اب اس راز سے پردہ اٹھانے سے متعلقہ افراد (خاص طور سے اقبال اور احمد پھوپھا) کو ذہن اور قلبی اذیت میں مبتلا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں اور میں خاموش رہی۔

میرے چہرے کے تاثرات سے اقبال نے محسوس کر لیا کہ میں کسی اندرونی کشمکش میں گرفتار ہوں۔ اس نے پوچھا۔ آپا کیا بات ہے۔ کیا آپ چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں؟ اب میں اسے کیا بتاتی کہ میں کیا سوچ رہی تھی۔ بات کو دوسرے رخ کی طرف موڑنے کے لئے میں اپنی وہ خلش بیان کروں جو ایک مدت سے دل میں کھٹک رہی تھی اور اس وقت بھی یاسمین کو افسوسناک موت کے پس منظر میں ابھر آئی تھی۔

میں نے اسے یاد دلایا کہ زبیدہ کا مکان چھین کر اس نے جو زمین حاصل کی تھی اس کے بیشتر حصہ پر وہ دو بیڈروم بنے ہوئے ہیں جن میں سے ایک اس نے لیا تھا۔ اور دوسرا ابا جان کو دیدیا تھا۔ شروع سے اب تک جو بھی حادثہ ہوا ہے ان ہی دو

کمروں میں ہوا ہے۔ ابا نے اس کمرے میں دم توڑا۔ اماں کا انتقال وہیں ہوا۔ بچہ جھولے سے گرا تو اسی بیڈروم میں اور اب یاسمین جل کر مرگئی تو بھی اسی خواب گاہ میں کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ کمرے ہمارے حق میں خدا کی بے آواز لاٹھی بن گئے ہیں۔ اس جگہ ایک بیوہ نے پناہ لی تھی اس مقام پر تین معصوم یتیم بچے گردش زمانہ سے محفوظ اپنی ماں کی آغوش میں پرورش پارہے تھے ہم نے ان سے ان کا وہ سہارا چھین لیا۔ بیوہ کی فریاد اور یتیموں کے آنسوؤں پر رحم نہ کھایا۔ تو اب ہم تقدیر الٰہی سے اس سلوک کے علاوہ جو ہم سے کیا جارہا ہے اور کس بات کی توقع کر سکتے ہیں۔

اقبال سر جھکائے میری باتیں سن رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں اور جب میں خاموش ہوئی ہوں تو اس کی ہچکیاں بندھ چکی تھیں اور وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے ایک ہی فقرے کی تکرار کررہا تھا۔ ''میرے مولا مجھے معاف کردے۔ میرے مولا مجھے معاف کردے۔ میرے مالک معاف کردے۔''

یاسمین کی موت اقبال کی زندگی میں ایک انقلاب بن کر آئی (اگرچہ اس کی تکمیل کسی اور ہی کے ہاتھوں سے ہوئی تھی) یہ انقلاب فکر ونظر کا بھی تھا اور قول وعمل کا بھی۔ پہلے وہ نماز نہیں پڑھتا تھا بلکہ نماز پڑھنے والوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اب اس نے پابندی سے نماز شروع کر دی۔ اور کوشش کرتا کہ باجماعت پڑھے۔ باقاعدگی سے قرآن شریف کی تلاوت اور دینی ومذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگا بے فکر اور یار باش دوستوں کی رفاقت ترک کر دی۔ آئے دن کی دعوتیں اور پارٹیاں ختم ہو گئیں۔ اس کا بیشتر وقت گھر پر گذرنے لگا اور ان سب سے زیادہ جو اہم اور نمایاں تبدیلی رونما ہوئی وہ یہ تھی کہ اس نے رشوت لینا اور دینا دونوں بند کر دیں

اس طرح کئی ماہ گذر گئے ہماری زندگی میں ایک جمود سا طاری تھا۔ بس مشینوں کی طرح لگے بندھے معمول پر کام کرتے ہوئے جی رہے تھے اقبال نے دونوں خواب گاہوں کو خالی کر کے مقفل کر دیا تھا۔ جلے ہوئے کمرے کی مرمت بھی نہیں کرائی تھی۔ اور خود ایک دوسرے کمرے میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ دلوں کو نسبتاً سکون ضرور تھا مگر گھر میں کوئی چہل پہل نہ تھی وہی تنہائی۔ وہی خاموشی وہی سناٹا جو یاسمین کی آمد سے پہلے طاری تھا۔ میں نے اقبال سے کئی مرتبہ کہا کہ وہ ایک بار پھر گھر بسانے کی کوشش کرے اور اب چونکہ سمت سفر بدل چکی ہے۔ اس لئے خدا کی رحمت سے بعید نہیں کہ حقیقی مسرّت کی منزل مل جائے۔ پہلے تو وہ خاموشی سے میری باتوں کو سنتا رہا۔ پھر اس نے جوابی حملہ کر کے اپنا بچاؤ شروع کر دیا۔ میں کچھ کہتی تو کھٹ سے بول اٹھتا ٹھیک ہے یہ اگر نیک کام ہے تو ضرور ہونا چاہیے تو پھر ہم دونوں بہن بھائی ایک بار پھر قسمت آزماتے ہیں۔ اور اب کے پہلے میں آپ کا گھر آباد کروں''۔

مجھے نہ معلوم کیوں شادی کے نام سے ہی چڑ ہوگئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ میں پہلے بھی کوئی گھر گرہستی کا ذہن رکھنے والی لڑکی نہیں تھی اور اب ایک تجربہ کے بعد تو طبیعت خود بخود اس موضوع سے اکتا چکی تھی میرے لئے اپنے بچوں کی اچھی طرح پرورش کرنا اور ان کی جملہ ذمہ داری سے احسن طور پر سبکدوش ہونا ہی زندگی کا پہلا اور آخری مقصد رہ گیا تھا مگر میں اقبال کو کس طرح سمجھاتی کہ مجھے کسی شریک حیات کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ وہ صرف اپنے بارے میں سوچے چنانچہ خاموش ہو جاتی تھی۔

ایک دن جبکہ اقبال دفتر گیا ہوا تھا۔ ملازمہ باورچی خانہ میں کام کر رہی تھی۔ دونوں بچے صحن میں کھیل رہے تھے اور میں اقبال کے لئے ایک قمیص کاٹ رہی تھی کہ دروازے پر کسی نے دستک دی میں دروازے سے نسبتاً قریب تھی اس لئے ملازمہ کو پکارنے کے بجائے میں نے مناسب سمجھا کہ خود ہی اٹھ کر دیکھ لوں۔ پٹ کھول کر جھانکنے سے پہلے میں نے قدرے بلند آواز سے پوچھا۔ کون صاحب ہیں''؟ جواب ملا بیٹی خدا کا ایک گناہگار بندہ ہوں۔ ممکن ہو تو تھوڑا سا کھانا کھلا دو۔'' پیشہ ور گداگروں کی بہتات کے اس دور میں دن بھر مختلف قسم کی صدائیں سننے میں آتی رہتی ہیں۔ چاہا کہ کہدوں بابا

معاف کرو لیکن اس آواز اور لہجہ میں کوئی ایسی بات تھی کہ میں تھوڑا سا پٹ کھول کر ایک نظر دیکھنے کے لئے مجبور ہوگئی۔ دیکھا کہ ایک نورانی چہرہ بزرگ جن کے سر کے بال اور داڑھی ہی نہیں بلکہ بھویں بھی سفید ہو رہی تھیں نظریں جھکائے کھڑے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ بابا آپ اندر تشریف لے آئیں۔ راہداری میں داہنی جانب ڈرائنگ روم ہے اس میں آرام سے بیٹھیں میں ابھی کھانا لے کر آتی ہوں۔ اتنا کہہ کر میں اندر گھر میں آگئی۔ کچھ توقف کے بعد میں نے ان بزرگ کو اندر ڈرائنگ روم میں جاتے دیکھا۔ میں باورچی خانے میں پہونچی کھانا تقریباً تیار تھا۔ روٹی ابھی نہیں پکی تھی۔ میں نے پلیٹ میں سالن نکالا۔ رات کی روٹیوں میں تین چار چپاتیاں اٹھا کر ٹرے میں رکھیں۔ پانی کا گلاس لیا اور دوپٹہ احتیاط سے اوڑھتی ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف چلی۔

بابا دروازے کی جانب سے پشت کئے صوفے پر بیٹھے تھے۔ میں نے سلام کر کے کھانا ان کے سامنے رکھا اور پھر چلی آئی اس دوران بابا نے ایک بار بھی نظریں اٹھا کر میری طرف نہیں دیکھا پندرہ بیس منٹ کے بعد میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچی تو وہ کھانا کھا چکے تھے۔ سالن کی پلیٹ بالکل صاف تھی مگر دو روٹیاں باقی رکھی تھیں۔

بیٹی خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔'' بابا نے مشفقانہ لہجہ میں کہا''۔ برا نہ مانو تو یہ فقیر ایک بات پوچھے''۔

پوچھئے بابا میں نے جواب دیا۔

''مجھے تمہارے گھر میں غیر معمولی خاموشی اور اداسی کی فضا محسوس ہو رہی ہے۔ کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے''۔

مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے اگر میں بابا کو سارے حالات بتادوں اور ان سے دعا یا کسی خاص عمل کے لئے کہوں تو ہماری تمام الجھنیں اور پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ اور میں نے مختصر الفاظ میں شروع سے آخر تک تمام واقعات سنا دیئے بابا بڑی توجہ سے سنتے رہے۔ پھر میں خاموش ہوگئی تو بہت نرم لہجے میں بولے۔

بیٹی مجھے بھی کسی ایسی ہی بات کا شبہ تھا۔ جس جگہ خدا کے مجبور اور بے سہارا بندوں پر ظلم وزیادتی کی جائے ہو۔ رحمت خداوندی وہاں سے اسی طرح منہ موڑ لیتی ہے۔ کسی غریب بیوہ کا دل دکھانا اور یتیموں کا مال، جائداد ناحق زبردستی سے حاصل کرنا تو ایسے شیطانی افعال ہیں جو اس رب کائنات کے قہر وغضب کو دعوت دیتے ہیں۔ تمہارے بھائی نے دھوکے فریب سے اس بیوہ اور اس کے یتیم بچوں کا مکان حاصل کر کے بہت برا کیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ نہیں اس کا معاوضہ دیدیا گیا مگر وہ گھر ان کے سر چھپانے کا ٹھکانا تھا۔ وہ اسے کسی قیمت پر فروخت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ایسی صورت میں اگر ساری دنیا کے خزانے بھی ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے جاتے تو یہ پھر بھی ظلم ہی رہتا۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ مگر اس فقیر کے خیال میں تم لوگوں پر جو آفات اور پریشانیاں آئیں ان کی بنیادی وجہ یہ ہی تھی''۔

تو پھر بابا اب ہم اپنے اس فعل کا تدارک کس طرح کر سکتے ہیں۔ یہ گھر کس طرح دوبارہ خوشیوں اور راحتوں کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ آپ ہمیں کوئی مشورہ دیں''۔

بیٹی مجھے یقین ہے کہ تمہیں اور تمہارے بھائی کو اپنے طرز عمل کی غلطی کا احساس ہو چکا ہے۔ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کے لئے توبہ کرتے اور پروردگار سے عفو ودرگذر کی دعائیں مانگتے رہو اور جس طرح بھی ممکن ہو اس غریب بیوہ اور اس کے یتیم بچوں کو تلاش کر کے ان سے معافی مانگو اور ان کا گھر ان کے حوالے کردو،،

میں نے ان بزرگ کو کچھ نقد رقم بھی دینا چاہی مگر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ دعائیں دیں اور رخصت ہوگئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ جس صوفے پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں سفید موتیوں کی ایک تسبیح رکھی ہوئی ہے۔ وہ غالباً اسے بھول گئے تھے میں نے تسبیح اٹھائی اور جلدی

سے ملازمہ کو گلی میں دوڑایا کہ وہ بابا کو دیکھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ ابھی زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ ملازمہ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد واپس آئی۔ اس نے بتایا کہ گلی کے اس سرے سے لے کر دوسرے تک ہر جگہ دیکھا مگر اسے بابا کہیں نظر نہیں آئے اتنا ہی نہیں اس نے دوسری گلیوں میں بھی جھانک کر دیکھا مگر ان کا نام ونشان نہیں تھا۔ محلّہ والوں سے پوچھا تو وہ قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے کسی فقیر کو گلی میں داخل ہوتے یا ہمارے دروازے پر دستک دیتے نہیں دیکھا۔ میں حیران رہ گئی۔ پھر سوچا کہ وہ ضرور خدا کے کوئی خاص بندے ہوں گے جنہیں اس مالک حقیقی نے ہماری مدد کے لئے بھیجا تھا۔ میں نے بڑی احتیاط سے تسبیح سنبھال کر رکھ لی۔

شام کو اقبال آیا تو میں نے اسے یہ حیرت انگیز واقعہ سنایا۔ وہ بھی بہت متاثر ہوا اور اس نے کہا آپا۔ شاید اب ہماری نجات کی یہ ہی صورت باقی رہ گئی ہو۔ میں ضرور زبیدہ اور اس کے بچوں کو تلاش کروں گا۔ اور پھر دوسرے ہی دن سے اقبال نے زبیدہ کا پتہ چلانے کی پوری کوشش شروع کر دی۔ جہاں تک مجھے معلوم تھا شہر میں خیر دین یا اس کے بیٹے چراغ دین کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں تھا۔ اور تھا بھی تو لاکھوں کی آبادی کے شہر میں اس کا پتہ ڈھونڈ نکالنا کوئی آسان کام نہ تھا اقبال روزانہ ان ٹھکانوں پر جانے لگا جہاں راج مزدوری اور اسی طرح کے لوگ کام کی تلاش میں جمع ہوا کرتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ شاید خیر دین یا چراغ دین کے ساتھ کام کرنے والا کوئی ایسا شخص مل جائے جسے اس کے عزیز واقارب کا علم ہو۔ بڑی تگ ودو کے بعد چراغ دین کی ایک بہن کا پتہ چلا جو حیدر آباد میں بیاہی گئی تھی۔ اقبال حیدر آباد گیا بہت مشکل سے مکان تلاش کیا۔ چراغ دین کی بہن نے بتایا کہ یہ خبر انہیں بھی مل گئی تھی کہ زبیدہ نے مکان بیچ دیا ہے۔ جھونپڑی ڈال کر رہنے لگی ہے۔ بہن نے اپنے دیور کو اس کی تلاش میں بھیجا بھی تھا۔ وہ مل بھی گئی بھی۔ مگر اس نے ان لوگوں سے کسی قسم کی مدد لینے سے انکار کر دیا۔ پھر معلوم ہوا کہ تھوڑے دنوں کے بعد وہ اس جھونپڑی کو چھوڑ کر کہیں اور چلی گئی ہے۔ کہاں یہ آج تک پتہ نہیں لگا۔

اس واقعہ کو تقریباً پانچ سال گذر چکے تھی اب وہ اس مضافاتی بستی جو پہلے کچے مکانوں اور جھونپڑیوں کی آبادی تھی ایک فیشن ایبل اور ماڈرن سوسائٹی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اقبال نے پانچ برس پرانے پتہ کے حوالے سے اس مقام کو تلاش کر لیا جہاں کبھی زبیدہ کی جھونپڑی تھی۔ اب اس جگہ ایک عالیشان بنگلہ تعمیر ہو چکا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس جگہ ایک زبیدہ کی ہی نہیں دوسری بیشمار جھونپڑیاں بھی تھیں جب اس علاقہ میں تعمیر مکان کا کام شروع ہوا تو زمین کے الاٹیوں نے ان جھونپڑیوں کو مسمار کرا دیا۔ حکومت نے وہاں کے مکینوں کو اٹھا کر کسی دور دراز مقام پر پہنچا دیا اور وہاں کی زمین ۸۰ اور ۱۲۰ گز کے پلاٹوں میں تقسیم کر کے ان جھونپڑی نشینوں کو الاٹ کر دی گئی۔ اب وہ دور دراز کی بستی بھی پھیلتے ہوئے شہر سے آملی تھی اور وہاں بھی ترقیاتی کام تیزی سے جاری تھے۔ اتنی معلومات حاصل کر کے اقبال نے اپنے کچھ دوستوں سے تعاون کی درخواست کی جو مقامی ڈولپمنٹ اتھارٹی میں ملازم تھے۔ پرانے فائل نکال کر ان الاٹیوں کے نام دیکھے گئے جنہیں وہ پلاٹ دیئے گئے تھے اور کئی دن کی دماغ سوزی کے بعد آخر کار اس پلاٹ کا پتہ چل گیا جو کسی زبیدہ زوجہ چراغ دین مرحوم کو الاٹ کیا گیا تھا۔

اقبال نے شام کو آ کر مجھے خوش خبری سنائی کہ زبیدہ کا پتہ مل گیا ہے اب وہ کل جا کر دیکھے گا۔ دوسرے دن وہ اس پتہ پر گیا پلاٹ مل گیا۔ وہاں ایک دو منزلہ مکان بنا ہوا تھا مگر مالک مکان کوئی اور تھا۔ زبیدہ نہیں تھی۔ اقبال اس شخص سے ملا۔ پہلے اس آدمی نے بہت بہانہ بازی کی کہنے لگا کہ یہ پلاٹ اس کے نام الاٹ ہے۔ اقبال نے الاٹمنٹ آرڈر کی فوٹو اسٹیٹ کاپی دکھا کر اس کا جھوٹ پکڑ لیا تو بولا کہ اس نے زبیدہ سے پلاٹ خرید لیا تھا۔ اقبال نے کہا تو پھر سیلز ڈیڈ دکھاؤ۔ ساتھ ہی دھمکی دی کہ اس کا تعلق پولیس سے ہے اگر اس نے صحیح صحیح بات نہیں بتائی تو اس کو پلاٹ پر ناجائز قبضہ کے الزام میں گرفتار کر لیا جائے گا۔ وہ شخص ڈر گیا۔ اس نے بتایا کہ پلاٹ زبیدہ ہی کے نام تھا اور وہ یہاں جھونپڑی ڈال کر رہتی تھی۔ اس نے اسے اکیلا اور بے سہارا پا کر پلاٹ پر قبضہ کر لیا۔ زبیدہ کو پہلے یہ تسلی دی گئی کہ وہ اپنے پیسے سے اس کا مکان زیریں منزل میں رہائش پذیر ہوگا۔ اور اس وقت تک کوئی کرایہ ادا نہیں کرے گا جب تک اس کی لگائی رقم پوری نہ ہو جائے۔ بالائی منزل میں زبیدہ قیام کرے گی۔ زبیدہ اس کی باتوں میں آ گئی۔ مکان بن گیا۔ لیکن مکان کی تعمیر کے دوران اس آدمی نے مختلف بہانوں سے پلاٹ سے متعلق تمام سرکاری اور قانونی کاغذات زبیدہ سے لے کر اپنے قبضہ میں کر لئے اور جب مکان بن گیا تو اس سے کہا کہ اب اس مکان پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ یہ زمین اس کے ہاتھ بیچ چکی ہے (جھوٹے کاغذات دکھا دیئے) پھر بھی اگر وہ ملازمہ کی حیثیت سے رہنا چاہے تو اسے ایک کمرہ رہنے کے لئے دیا جا سکتا ہے زبیدہ بہت روئی پیٹی مگر مجبور تھی۔ اسے اپنے اور اپنے بچوں کے لئے ایک پناہ گاہ کے عوض اس آدمی کی بات ماننا پڑی۔ وہ ابھی گذشتہ ماہ تک اس کے گھر کام کرتی رہی۔ مگر وہ اور اس کے بچے زیادہ تر بیمار رہتے تھے۔ یہاں تک کہ دو لڑکیوں کا انتقال ہو گیا۔ پھر تین ماہ قبل اس کی سب سے چھوٹی بچی بیمار پڑی زبیدہ خود بھی بہت کمزور ہو گئی تھی۔ بچی کی تیمارداری اور گھر کی ملازمت کے دوہرے فرائض نے اسے بھی بیمار کر دیا وہ آدمی چند روز تک اس کا اور بچی کا علاج کراتا رہا پھر ایک ماہ ہوا ہے کہ اس نے دونوں ماں بیٹی کو سول ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ وہ اب بھی ہسپتال میں ہے یا صحت یاب ہو کر کہیں چلی گئی وہ نہیں جانتا کیونکہ اس دن کے بعد اس نے ہسپتال جانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اس آدمی کو کچھ کہنے سننے سے کوئی فائدہ نہ تھا اقبال نے اسی وقت سول ہسپتال کا رخ کیا۔ اور وہاں تھوڑی ہی دیر میں اسے زبیدہ کا پتہ چل گیا۔ ماں بیٹی دونوں کسمپرسی کی حالت میں جنرل وارڈ میں پڑی ہوئی تھیں۔ بچی ڈبل نمونیہ میں مبتلا اور زبیدہ شدید انیمیا کا شکار تھی۔ اس نے اقبال کو پہنچان لیا۔ مگر کسی قسم کی مدد قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اقبال گھبرایا ہوا میری پاس آیا کہ میں چل کر زبیدہ کو سمجھاؤں۔ میں اسی وقت ہسپتال گئی۔ زبیدہ کو دیکھا تو ندامت سے آنکھیں نہ ملا سکی۔ اتنی خوبصورت اور صحت مند لڑکی کی ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئی تھی۔ میں اس کے سامنے روئی گڑگڑائی۔ خدا کا واسطہ دیا۔ زبیدہ کا اپنا دل دکھا ہوا تھا وہ زیادہ دیر تک میرے بہتے آنسوؤں کا سامنا نہ کر سکی۔ خود بھی زاروقطار روتے ہوئے مجھے گلے سے لپٹا لیا۔ میں اسے بہت دیر تک سمجھاتی رہی اور آخر کار اس نے ہم دونوں کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ ضروری علاج ومعالجہ پر بھی راضی ہو گئی۔

اقبال نے ایک بہت اچھے پرائیویٹ ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ جہاں بہترین طبی سہولتیں موجود تھیں۔ بچی جس کا نام زبیدہ نے زہرا رکھا تھا اس وقت تقریباً چھ برس کی تھی۔ ایک ہفتہ کے اندر اس کی حالت سنبھل گئی۔ دوسری طرف زبیدہ بھی تیزی سے صحت یاب ہو رہی تھی۔ دونوں ماں بیٹی تقریباً ایک ماہ ہسپتال میں رہیں اور اس دوران اقبال نے ملازمت کے اوقات کے علاوہ اپنا بیشتر وقت ہسپتال کے چکر لگاتے ہوئے گذارا۔ خاص طور سے زہرا اس سے اتنی جلدی اس قدر مانوس ہو گئی تھی کہ جب وہ جانے لگتا تو اسے جانے نہ دیتی۔ بے چاری باپ کی شفقت سے محروم بچی کو اپنی چھوٹی سی عمر میں پہلی مرتبہ کسی کا پیار ملا تھا۔ وہ سچ مچ اسے باپ ہی کی طرح چاہنے لگی تھی۔ آرام وسکون ملا۔ صحیح دیکھ بھال کی گئی۔ غذا کا خیال رکھا گیا تو زبیدہ بھی ایک بار پھر پہلے کی طرح شاداب وتروتازہ نظر آنے لگی۔ اس مدت میں میں بھی تقریباً روزانہ ہی اس کی عیادت کے لئے ہسپتال جاتی تھی۔ سادہ دل زبیدہ اتنی پاکیزہ فطرت کی مالک تھی کہ اس نے صدق دل سے ہماری زیادتیوں کو بھلا دیا تھا۔ وہ مجھے پہلے بھی آپا ہی کہتی تھی۔ مگر اب میں اسے کسی چھوٹی بہن ہی کی طرح چاہنے لگی تھی۔

تقریباً ایک ماہ اور تین چار دن کے بعد ڈاکٹروں نے زبیدہ کو ہسپتال سے لے جانے کی اجازت دیدی۔ زہرا اس سے دس بارہ دن پہلے ہی ڈسچارج کی جا چکی تھی اور میں زبیدہ کی اجازت سے اسے اپنے ساتھ گھر لے گئی تھی۔ اب زبیدہ کو بھی چھٹی ملنے لگی تو میں نے ایک بار پھر اس سے گفتگو کی اور بڑی مشکل سے آخر اسے آمادہ کر ہی لیا کہ وہ ہسپتال سے رخصت ہو کر ہمارے ساتھ اپنے گھر چلے گی اقبال نے اس دوران جلے ہوئے کمرے کو دوبارہ بنوا دیا تھا۔ دونوں کمرے ایک بار پھر اپنی سابقہ حالت پر آ چکے تھے۔ زبیدہ گھر آئی تو ہم

نے اسے اسی کمرے میں ٹھہرایا۔ دوسرے یا تیسرے دن سہ پہر کے وقت جب کہ میں زبیدہ اور زہرا چائے پی رہے تھے۔ اقبال گھر میں داخل ہوا اور سیدھا زبیدہ کے سامنے جاکر..... ایک لفافہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے حیران ہوکر پوچھا کہ یہ کیا ہے تو بتایا کہ یہ پورے مکان کی رجسٹری کے کاغذات ہیں جو اس نے آج ہی زبیدہ کے نام کردی ہے۔ اقبال نے کہا کہ جو زیادتی اس سے ہوئی تھی اس کا اگر کوئی کم سے کم تدارک ہوسکتا تھا تو وہ یہ ہی تھا کہ پورے مکان کی ملکیت زبیدہ کو منتقل کردی جائے اور اس نے یہ ہی کیا ہے۔ زبیدہ بھلا یہ احسان (بقول اس کے) کس طرح قبول کرسکتی تھی اس نے انکار کیا۔ اقبال نے اصرار کیا۔ دونوں دیر تک ایک دوسرے کو قائل معقول کرنے کی کوشش کرتے رہے دفعتاً مجھے ایک انوکھی بات سوجھی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ میں نے کہا تم دونوں جس انداز سے بحث کررہے ہو اس کے پیش نظر اس مسئلہ کو طے کرنے کی بس ایک ہی صورت ہے۔ اقبال اور زبیدہ دونوں نے تقریباً ہم آواز ہوکر پوچھا۔ ''وہ کیا؟'' میں نے جواب دیا یہ کہ تم دونوں کی شادی کردی جائے اس طرح نہ صرف مکان کا مسئلہ خود حل ہوجائے گا۔ بلکہ زہرا کو بھی یہ فکر نہ رہے گی کہ چونکہ اب وہ اور اس کی امی ٹھیک ہوچکے ہیں۔ اس لئے اپنے گھر واپس چلے جائیں گے اور یوں اس سے پیارے انکل چھین جائیں گے (زہرا اقبال کو انکل کہنے لگی تھی) میری بات سن کر اقبال چونک پڑا مگر زبیدہ کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔ وہ کوئی جواب دیئے بغیر چائے کی میز سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی میں نے جواب دیا کہ میں نے ہی کہا ہے کہ میرے نزدیک اس مسئلہ کا بہترین حل ہوسکتا ہے کہ میں اسے آمادہ کرلوں گی۔ تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ اقبال نے کہا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ زبیدہ اس پیشکش سے میری نیت کے بارے میں شبہ نہیں کرنے لگے گی تو میں خود آپ سے مشورہ کرتا مگر اب اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد میں بہت محتاط ہوگیا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس سلسلہ میں زبیدہ کسی طور پر بھی دباؤ میں آکر کوئی فیصلہ کرے۔ آپ اسے بتادیں کہ وہ کوئی بھی رائے قائم کرنے کے لئے بالکل آزاد ہے اور یہ کہ اس کا فیصلہ کچھ بھی ہو میں یہ مکان بہر حال اس کے نام کرچکا ہوں۔ یہ بات نہ چھڑتی تو اچھا تھا۔ لیکن اب چھڑ ہی گئی ہے تو اس سے یہ بھی کہہ دیں کہ چونکہ اب مکان کی مالک وہ ہے اس لئے ہم لوگ جلد ہی کہیں دوسری جگہ منتقل ہوجائیں گے۔ زہرا جو اتنی دیر سے ہماری باتیں سن رہی تھی ایک دم بول اٹھی انکل آپ امی کی فکر نہ کریں۔ آپ جہاں بھی جائیں گے میں آپ کے ساتھ چلوں گی اور پھر دیکھ لیجئے گا کہ امی کو بھی ہار مان کر وہیں ہم دونوں کے پاس آنا ہوگا۔''

پھر اس رات کو میں نے زبیدہ سے دیر تک بات کی میرا خیال ہے کہ اعتراض اسے بھی کوئی نہ تھا مگر وہ دنیا سے ڈرتی تھی کہ لوگ کیا کہیں گے میں نے اسے سمجھایا کہ وہ لوگوں کی پرواہ نہ کرے یہ دنیا ہنسنے والوں کے ساتھ ہنستی ہے مگر رونے والوں کے آنسو پونچھنے کوئی نہیں آتا۔ اور جب میں نے تمام نشیب وفراز اس کے سامنے رکھے تو وہ بالآخر خاموش ہوگئی۔ میں نے جواب کے لئے اصرار کیا تو اس نے شرما کر میرے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے اور چپکے سے بولی میں کیا جواب دوں آپا۔ سب کچھ تو آپ بہن بھائی نے طے کر ہی لیا ہے۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ پہلے آپ نے مکان خریدا تھا آج مکان والی پر قبضہ کرلیا، جایئے جو آپ کی خوشی ہو کیجئے۔''

اگلے ہفتے بہت سادگی سے اقبال اور زبیدہ کا عقد ہوگیا۔ خاندان میں کچھ افراد نے اس پر ناک بھویں چڑھائیں۔ مگر احمد پھوپھا نے ہمیں مبارکباد دی اور کہا کہ غالباً ہم نے اپنی زندگی میں سب سے بہتر فیصلہ یہ ہی کیا ہے۔ وہ زبیدہ سے مل کر بھی بہت خوش ہوئے۔ اتنا کہ اسے اپنی بیٹی بنالیا۔ اور کچھ دن بعد اپنا مکان فروخت کرکے ہمارے ساتھ رہنے لگے زبیدہ نے بھی اس طرح ان کی خدمت کی کہ شاید یاسمین بھی اس سے زیادہ نہ کرتی۔ ہم سب بہت خوش تھے مگر سب سے زیادہ خوشی زہرا کو تھی کہ جن دو ہستیوں کو چاہتی تھی اب ان کے بچھڑنے کا کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ کئی برس بیت گئے۔ اقبال کے اپنے بچے بھی ہوئے مگر زہرا سے اس کی محبت میں کمی نہیں آئی اقبال اور زبیدہ بہت خوش ہیں۔ میں بھی بہت مسرور ومطمئن ہوں۔ زندگی بڑے سکون سے گزر رہی ہے اور میں آج بھی ان مقدس بزرگ کو دعائیں دیتی ہوں جن کے مشورے اور ہدایات پر عمل کرکے ہمارا گھر ایک بار پھر مسرتوں کا گہوارہ بن گیا ہے۔

●●

شکیل احمد

☆ آم کی کیری لو لگنے کا موثر علاج ہے
☆ آم جسمانی کمزوری دور کرتا ہے
☆ آم کی گٹھلی کا مغز دمے سے نجات دیتا ہے
☆ آم کے اچار کا روغن گنجے پن کو دور کرتا ہے

ڈاکٹر آم کے کرشمے

یہ لذیذ پھل غذائی افادیت کے ساتھ بہت سے مہلک امراض کا شافی علاج بھی ہے

آم قلمی اور تخمی دو قسم کا ہوتا ہے۔ مزے اور شکل وصورت کے اعتبار سے قلمی آم کی بیسیوں قسمیں ہیں۔ سرولی، بہشت، دسہری، گلاب، لنگڑا، زردہ، مور بہشت، بیگم پسند، فجری، طوطاپری وغیرہ مختلف قلمی آموں کے نام ہیں۔ علاوہ ازیں بمبئی کا مالدہ، بنارس کا لنگڑا، حیدرآباد کا مرغوبہ، ملیح آباد (لکھنؤ) کا سرخہ اور سفیدہ بھی قلمی آم کی مشہور قسمیں ہیں۔ تخمی آم سینکڑوں قسم کے اور حجم میں قلمی آموں سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ دیسی تخمی آم قصبات اور دیہات میں عام ہوتے ہیں۔

جو آم درخت پر پکنے کے بعد خود ٹوٹ کر گرے، وہ پٹکا کہلاتا ہے اور جو درخت سے کچا ہی توڑ کر بھوسے اور گھاس وغیرہ میں دبا کر پکایا جائے، اسے پال کا آم کہا جاتا ہے، ٹپکے کے آم میں پال کے آم سے شیرینی کم اور دونوں میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔

قلمی آم بہت لذیذ، شیریں اور بے ریشہ ہوتا ہے اور عموماً تراش کر کھایا جاتا ہے۔ قلمی آموں میں سے بعض بہت میٹھے، بعض بہت کھٹے اور بعض معمولی کھٹے ہوتے ہیں۔ بعض کا رس پتلا اور بعض کا گاڑھا ہوتا ہے۔

پکا ہوا میٹھا آم قلمی ہو یا تخمی، اس میں غذائی مواد خاصی مقدار میں موجود ہوتے ہیں، لہٰذا یہ خون بکثرت پیدا کرکے بدن کی پرورش کرتا اور طاقت بخشتا ہے اور ساتھ ہی طبیعت میں فرحت پیدا کرتا ہے۔ اس کے متواتر استعمال سے بدن قوی اور فربہ ہوجاتا ہے۔ ضعف باہ والوں کے لیے نہایت مفید ہے۔ آم میں حیاتین الف (وٹامن اے) اور حیاتین ج (وٹامن سی) بھی کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں، اس لیے یہ بچوں کی نشوونما میں خاص طور پر مدد دیتا ہے۔

آم کھانے کا طریقہ اور وقت

آم نہار منہ ہرگز نہ کھائیں۔ کھانا کھانے کے بعد کھائیں یا تیسرے پہر استعمال کریں۔ کھانے سے کچھ دیر پہلے آموں کو ٹھنڈے پانی میں ڈال دیں۔ اس کے بعد تراش کر اس کا گودا کھائیں، لیکن اگر آم تخمی ہوں تو پہلے انہیں ہاتھ سے دبا دبا کر پلپلا کریں، اس کے بعد ڈنٹھل کا حصہ الگ کرکے اس کا چیپ دور کریں۔ پھر آم کو دبا دبا کر اس کا رس منہ سے چوسیں۔ کاٹ کر یا رس نکال کر کھانے سے آم ثقیل ہوجاتا ہے۔ انہیں اعتدال سے کھانا ہی بہتر ہے۔ اگر زیادہ کھا لیے جائیں تو بعض اوقات دست بھی آنے لگتے ہیں۔

اگر آم کھانے کے بعد چند جامنیں کھائی جائیں تو آم کی اصلاح ہوجاتی ہے اور اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ آم کھانے کے بعد دودھ پینے سے اس کی غذائی طاقت بڑھ جاتی ہے، بالخصوص تیسرے پہر آم کھانے کے بعد دودھ یا اس کی لسی اور برف ڈال کر پینا بہت مفید ہے۔

کچے آم کی تاثیر

کچا آم ترش اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ اسے کیری بھی کہتے ہیں، یہ پیٹ کو صاف کرتا ہے اور قبض کشا ہے، موسم گرما میں لو کا حملہ ہو تو کیری ابال کر اس کا رس نکال لیں۔ پھر اس میں نمک، کالی مرچ اور بھونا ہوا زیرہ ملا کر پئیں، یقیناً فائدہ ہوگا۔ یہ رس انتہائی زود ہضم اور لذیذ ہوتا ہے۔ نیز بھوک بڑھاتا ہے۔ قے میں بھی اس کا استعمال مفید ہے۔ اگر تلی بڑھ جائے تو آم کے رس میں شہد ملا کر استعمال کریں۔ کچا آم مرض ''سکروی'' میں بھی مفید ہے کیونکہ اس میں سٹرک ایسڈ کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔

پکے آم مزیدار، شیریں اور مقوی ہونے کے علاوہ مفرح، مولد خون اور مولد منی بھی ہے۔ جلد کی رنگت نکھارتا اور چہرے کی رونق بڑھاتا ہے۔ اس میں چربی، کاربوز اور پانی کے علاوہ وٹامن اے اور بی کافی مقدار میں ہوتے ہیں۔

اگر آم کھا کر دودھ کی لسی کے بجائے

بادام پندرہ بیس دانے اور گل نیلوفر چار گرام کی سروائی رگڑ لیں اور حسب ضرورت میٹھا اور برف ڈال کر پی لی جائے تو ضعف دماغ سے ہونے والا دردسر اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا آجانے کی شکایت رفع ہو جاتی ہے۔

دودھ ایک پاؤ آم کا گودہ اور رس آدھ پاؤ چینی یا شربت بزوری یا شربت صندل بقدر ذائقہ اور برف حسب ضرورت اچھی طرح ملا کر پینا ایک مکمل غذا کا کام دیتا ہے۔ تیسرے پہر یا شام کا کھانا کھانے کے بعد شوق سے استعمال کریں۔ دل و دماغ، گردہ ومثانہ اور جگر کے لیے مقوی ہے۔ اگر اس میں ادرک کا رس چمچہ بھر ملا دیا جائی تو طبی نقطۂ نگاہ سے زیادہ فائدہ مند ہے۔

سر کا گنج

آم کا پرانا اچار تلاش کریں۔ کم از کم ایک برس پرانا تو شرور ہو۔ اس میں سے روغن علیحدہ کر لیں اور کسی شیشی میں رکھیں۔ روزانہ سر پر اس تیل کی مالش کیا کریں۔ چند ہفتوں کے استعمال سے بال از سر نو پیدا ہو جائیں گے۔

آنکھیں دکھنا

اگر آنکھیں دکھنے کا باعث گرمی ہو تو وہ خشک ہوں گی، ان سے پانی وغیرہ جاری نہ ہوگا، نیز جلن سی محسوس ہوگی۔ اس کے لیے آم کی کیری پیس کر دکھتی ہوئی آنکھوں پر باندھیں، آرام ہو جائے گا۔

نکسیر کا علاج

حسب ضرورت آم کی مینگ (گٹھلی) کے سفوف کی نسوار بنا کر شیشی میں رکھ چھوڑیں، ضرورت کے وقت مریض کو سنگھائیں، نکسیر بند ہو جائے گی۔

مسوڑھے کا ورم

امچور حسب ضرورت پانی میں بھگو کر خوب باریک پیس لیں اور اس کی کلیاں کریں۔ مسوڑھوں کا ورم اور درد مٹ جائے گا۔

دمے کا علاج

آم کی گٹھلی کی مینگ چھ گرام روزانہ نہار منہ صبح کے وقت مریض دمہ کو دیں، اس سے کچھ دنوں کے بعد دمے کا قلع قمع ہو جائے گا۔

تلی کا علاج

پختہ شیریں آموں کا رس پچاس ساٹھ گرام لے کر اس میں دس گرام شہد ملا کر روزانہ مریض کو پلائیں کچھ عرصہ کے استعمال سے تلی کا ورم دور ہو جائے گا۔

آم کا اچار تلی گھٹانے کے لیے ایک مجرب دوا ہے، لہٰذا تلی والے مرض کو روٹی کے ساتھ یہ اچار کھلانا چاہیے۔

آم کے اچار کی ترکیب

عمدہ سالم بالکل کچے موٹے موٹے آم لیں اور انہیں اچھی طرح دھو کر خشک کر لیں۔ ان کا گودا چھلکے سمیت اتار لیں اور اسے ایک چکنے مٹکے میں بھر دیں۔ ایک کلو گودے میں ڈیڑھ سو گرام نمک ڈال کر مٹکے کا منہ بند کر کے رکھ چھوڑیں۔ ہر روز کئی بار اچھی طرح ہلا دیا کریں۔ تین دن بعد ایک چارپائی پر بوریا بچھائیں اور مٹکے میں سے گودا نکال کر اس پر پھیلا دیں۔ اس وقت گودے کی رنگت زردی مائل ہو چکی ہوگی اور مٹکے اندر کچھ پانی بھی جمع ہوگا۔ یہ پانی مٹکے ہی میں رہنے دیں۔ ایک دو روز بعد جب گودے کی نمی خشک ہو جائے تو اسے ایک بڑے تھال میں ڈال دیں۔ تھال قلعی شدہ ہونا چاہیے یا لکڑی کا ہو اس میں فی کلو گودے کے لیے حسب ذیل مسالا شامل کریں:

ہلدی پسی ہوئی دس گرام، سونف بیس گرام تخم میتھی بیس گرام لال مرچ باریک پسی ہوئی پچیس گرام کلونجی بیس گرام اور سرسوں کا بڑھیا کھانے کا تیل بقدر ضرورت شامل کر کے ہاتھوں سے الٹ پلٹ کریں اور اس کے بعد کسی استعمال شدہ مٹکے یا چینی کے مرتبان میں دبا دبا کر بھر دیں اور اوپر سے بچا ہوا نمکین پانی ڈال دیں۔ تیل کی مقدار مقرر نہیں۔ جتنا بھی ڈالا جائے اسی قدر بہتر ہوگا۔ بعض لوگ تیل کچا ڈالتے ہیں، بعض پکایا ہوا۔ اسی طرح مرچ مسالوں میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

برتن کا منہ بند کر کے رکھ دیا جائے اور بیس روز تک چھوا نہ جائے البتہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ تیل جذب ہو جانے پر اور شامل کیا جائے۔ ایک مہینے کے بعد اچار کھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہ احتیاط ضروری ہے کہ اچار کے برتن سے تیل ہاتھوں سے نہ نکالا جائے۔ لکڑی کے چمچے اس کام کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔

اچار کی ایک اور ترکیب

ہرے دیسی آم چھیل کر کترے بنا لیجئے۔ گٹھلیاں پھینک دیجئے۔ پانچ کلو کتروں میں نصف کلو نمک لگا کر چوبیس گھنٹے کے لیے رکھ دیجئے۔ ایسا کرنے سے کچھ پانی نکل آئے گا۔ کتروں کو پانی سے نکال کر چوبیس گھنٹے تک دھوپ میں خشک کر لیجئے۔ مرتبان کے پانی کو تین کلو گڑ یا شکر کے ساتھ اس وقت تک ابالیے حتیٰ کہ قدرے گاڑھا ہو جائے۔ کتروں کو ابلتی چاشنی میں نیچے لکھی ہوئی چیزوں کے ساتھ ملا دیجئے۔

پسی ہوئی لال مرچ ۱۲۰ گرام، لونگ ۳۰ گرام، بڑی الائچی کے دانے پسے ہوئے ۳۰ گرام، سونف ۱۲۰ گرام زیرہ ۶۰ گرام، دھنیا ثابت ۱۲۰ گرام، کالی مرچ ۶۰ گرام، سونٹھ ۶۰ گرام، تھوڑی سی ہینگ۔ اچار کو شیشے کے برتن یا مرتبان میں بھر کر بند کر کے رکھ دیجئے۔

ضعف ہضم کے لیے

ہاضمے کی کمزوری کے لیے آم کا رس ۶۰ گرام اور سونٹھ ۲ گرام پیس کر ملائیں اور صبح کے وقت پلائیں۔ (یاد رہے ایک گرام تقریباً ایک ماشے کے برابر اور ساٹھ گرام پانچ تولے جو ایک چھٹانک کے مساوی ہوتا ہے)

آنتوں کے کیڑے

آم کی گٹھلی کی مینگ ۲ گرام روزانہ نہار منہ دیا کریں۔ ایک ہفتے میں آنتوں کے کیڑے مر جائیں گے۔

دستوں کا علاج

گٹھلی کی مینگ اور ''ندر جو'' مساوی الوزن لیں اور پیس کر سفوف بنا لیں اور ایک ماشہ سفوف دن میں دو تین بار دیں، جوان آدمی کے دست بند ہو جائیں گے۔

لو کا علاج

حسب ضرورت آم لے کر ریت میں دبا دیں۔ جب نرم ہو جائیں تو نکال لیں، پھر ان کو نچوڑ کر قدرے آب سرد، عرق بید مشک ۶۰ گرام، عرق کیوڑہ ۱۰ گرام اور مصری ۲۰ گرام ملا کر برف سے ٹھنڈا کریں اور تھوڑا تھوڑا پلاتے رہیں۔ چند بار پلانے سے مریض تندرست ہو جائے گا۔

کچے آم کو آگ میں بھلبھلا کر اس کا رس نچوڑ لیں پھر اس میں قدرے شکر سفید ملا کر برف سے ٹھنڈا کر کے پلائے۔ لو لگنے اور اس سے غشی پیدا ہونے، زہریلی ہواؤں سے تپ میں مبتلا ہونے اور گرمی کی حدت دور کرنے، صفرا کا جوش توڑنے، تشنگی مٹانے اور تسکین بخشنے میں بہت موثر ہے۔

آگ سے جلنا

آم کی گٹھلی کی تھوڑی سی مینگ قدرے پانی میں بھگو کر پیس لیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جلے ہوئے عضو پر لگائیں فوراً ٹھنڈک پڑ جائے گی۔

کمزوری کا علاج

روزانہ نہار منہ پکا ہوا اور شیریں آم چوس کر اوپر سے دودھ، جس میں سونٹھ اور چھوہارے شامل کیے گئے ہوں، پیا کریں۔ اس سے بدن میں خون پیدا ہو کر چہرے کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے۔ بھوک پہلے سے دگنی لگتی ہے دائمی قبض دور ہو جاتا ہے۔ گھبراہٹ اور بے چینی دور ہوتی ہے۔

نوٹ: ترش آم پر دودھ پینا نقصان دہ ہے۔

سرعت انزال

حسب ضرورت کچے آم جن میں ابھی گٹھلی نہ پڑی ہو، لے کر سائے میں خشک کر کے پیس لیں اور بحفاظت رکھیں۔ ہر روز صبح کے وقت نہار منہ اس میں سے چودہ گرام سفوف لیں اور قدرے شکر مفید ملا کر مریض کو کھلایا کریں۔ چند روز میں سرعت انزال کی شکایت دور ہو جائے گی۔

مقوی باہ، مقوی اعصاب

آم کے ساتھ دودھ کا استعمال بہت ہی مفید ہے۔ یہ قوت بخش، مقوی باہ اور مولد خون ہونے کے علاوہ شریانی نظام اور اعصاب میں تحریک پیدا کرتا ہے جس سے بدن فربہ ہوتا ہے۔

مقوی دماغ نسخہ

آم کا تازہ اور میٹھا رس ۲۵۰ گرام، تازہ دودھ ساٹھ گرام، ادرک کا تازہ رس چمچی بھر (اگر جی چاہے تو بقدر ذائقہ شکر بھی شریک کر لی جائے) سب کو اچھی طرح ملا کر ایک مرتبہ کھا لیں، یہ مقوی دماغ ہے۔ روزانہ کھانے سے ضعف دماغ کے باعث دائمی دردسر، گرانی اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا آنے کی شکایت نہیں رہتی اور جسم کی لاغری فربہی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مولد خون بھی ہے۔ قلب وجگر کو بھی طاقت دیتا اور فرحت بخشتا ہے۔ سانس مشکل سے چلتا ہو، رنگ زرد ہو رہا ہو، کمزوری بڑھ رہی ہو تو اسے آزمائیے۔

معدے کی کمزوری

آموں کا تازہ رس جو خوب پتلا اور میٹھا ہو ۶۰ گرام (بعد میں ۱۲۰ گرام بھی لیا جا سکتا ہے) میٹھا وہی تازہ لگ بھگ سو گرام، ادرک کا رس ایک چمچی۔ ان سب کو خوب اچھی طرح ملا کر پی لیا جائے۔ ایسی ایک خوراک دن میں تین بار لی جا سکتی ہے۔ پرانے دست، سنگرہنی غذا کا خام حالت میں دست کی شکل میں نکلنا، آنتوں اور معدے کی کمزوری اور بواسیر کے لیے مفید ہے۔